سرسوتی سمان یافتہ مراٹھی ڈرامہ

کنیادان

مُصنف: وِجے تینڈلکر

اُردو ترجمہ: ڈاکٹر صادق

کنیادان

سرس وتی سمان یافتہ مراٹھی ڈراما

وجے تینڈلکر

اردو ترجمہ:

ڈاکٹر صادق

(سرس وتی سمان یافتہ مراٹھی ڈرامہ)

مصنف:

وجے تینڈلکر

اردو ترجمہ:

ڈاکٹر صادق

ناشر:

۱۷۷۹۔ کوچہ دکھنی رائے، دریا گنج، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

نام کتاب : کنیا دان (ڈرامہ)
مصنف : وجے تینڈلکر
اُردو ترجمہ : ڈاکٹر صادق
اشاعت : ۱۹۹۵ء
قیمت : ساٹھ روپے Rs. 60.00
ناشر : انیس امروہوی
● تخلیق کار پبلیشرز، ۱۷۷۹۔ کوچہ دکھنی رائے، دریا گنج، نئی دہلی، ۱۱۰۰۰۲
سرورق : ساجد (بشکریہ نیل کنٹھ پرکاشن)
کتابت : ایم۔ حمران اعظمی، دہلی
طابع : ثمر آفسیٹ پرنٹرس، ۱۳۰۸، کلاں محل، دریا گنج، نئی دہلی، ۱۱۰۰۰۲

ملنے کے پتے :

● اہلووالیہ بُک ڈپو، ۹۹۸۸/۴۹۔ نیو روہتک روڈ، نئی دہلی، ۱۱۰۰۰۵
● ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، گلی وکیل، کوچہ پنڈت، لال کنواں، دہلی، ۱۱۰۰۰۶
● موڈرن پبلیشنگ ہاؤس، ۹۔ گولا مارکیٹ، دریا گنج، نئی دہلی، ۱۱۰۰۰۲
● مکتبہ جامعہ لمٹیڈ، اُردو بازار، جامع مسجد، دہلی، ۱۱۰۰۰۶

T.P. : 038 — 1995
KANYA DAAN *(Drama)* — Rs. 60.00
By **Vijay Tendulkar**
Urdu Translation by **Dr. SADIQ**
Takhleeqkar Publishers,
1779, Kucha Dakhni Rai, Darya Ganj, New Delhi-110002

सरस्वती नः सुभगामयस्करत्.

○

یہ کتاب، کے۔ کے۔ برلا فاؤنڈیشن کے منصوبہ برائے اشاعتی تعاون
کی تحریک و ترغیب اور ان کے مالی اشتراک۔ سے
تخلیق کار پبلیشرز، نئی دہلی نے
شایع کی۔

○

کنیادان کا یہ ترجمہ

وِجے تینڈلکر
بدری دھام، دیکشت روڈ ایکسٹینشن
وِلے پارلے (ایسٹ)، بمبئی، ۴۰۰۰۵۷

ڈاکٹر صادق
شعبۂ اُردو، دہلی یونیورسٹی
دہلی، ۱۱۰۰۰۷

کردار

ناتھ دیولالی کر

سیوا

جیوتی

جے پرکاش

ارون آٹھولے

وامن راؤ

ہمبیر راؤ

یہ ڈرامہ پہلی بار، انڈین نیشنل تھیٹر بمبئی کے زیرِ اہتمام ۱۲ر فروری ۱۹۸۳ء کو بمبئی کے شیواجی مندر اسٹیج پر پیش کیا گیا۔

کردار :	اداکار :
ناتھ دیولالی کر	ڈاکٹر شری رام لاگو
سیوا دیولالی کر	سہاس جوشی
جیوتی دیولالی کر	سشما تینڈلکر
جے پرکاش دیولالی کر	شریش آٹھولے
ارون آٹھولے	سداشیو امراپورکر
وامن راؤ	ونایک آیرے
بھیم راؤ	ولاس والاولکر

ہدایت کار : سداشیو امراپورکر

پہلا ایکٹ

پہلا منظر

دن کے دس گیارہ بجے کا عمل،
متوسط طبقے کی بستی کا ایک پُرانا بلاک۔
چھوٹا لیکن صاف سُتھرا دیوان خانہ،
دیوار پر مہاتما جی، آچاریہ نریندر دیو، یوسف مہر علی اور سانے گروجی کی تصویریں
آویزاں ہیں۔
مُلک کے مختلف حصّوں کی نمائندگی کرنے والی چھوٹی بڑی قابلِ دید اشیا اس طرح
سجائی گئی ہیں کہ فوراً متوجہ کرتی ہیں۔
دیوان خانے کا منظر مجموعی حیثیت سے پُرسکون اور متاثر کُن ہے۔
ناتھ دیولالی کر (سن ساٹھ کے قریب، کچھ خمیدہ لیکن چاق و چوبند) ٹیلی فون پر گفتگو
کر رہے ہیں:
جیوتی (عمر بیس سال) اور جے پرکاش (۲۳ برس) یہ دونوں ناتھ کے بچّے ہیں۔
جیوتی بیٹھی ہوئی اپنے والد کا کوئی بیسک میٹیریل کام کر رہی ہے۔ جے پرکاش کوئی مشین
کھول کر اس کی مرمّت کے کام میں مصروف ہے۔

ناتھ : (فون پر اُونچی آواز میں بات کرتا ہے) ہیلو۔ آسن گاؤں جانے والی بس کس وقت
روانہ ہوگی؟ ہیلو، آسن گاؤں کی بس ... پُنے۔ آسن گاؤں... ہاں؛ ہاں؛

پُنے آسن گاؤں ... ایسی بس ہی نہیں؟ ... نہیں کیسے؟ بس ہے۔ مَیں تمہیں کہہ رہا ہوں ... ارے میں سفر کر چکا ہوں نا اُسی بس سے ... میں ناتھ دیولالی کر بول رہا ہوں ... وِدھان پریشد کا ممبر ... ہاں، نمستے بعد میں کیجئے گا، پہلے بس کی روانگی کا وقت بتائیے ... کس وقت روانہ ہوتی ہے یہاں سے؟ (زِچ ہو کر ریسیور رکھ دیتا ہے) فون کٹ گیا۔ پہلے تو نمبر ہی نہیں لگتا تھا۔ لگا تو بات پوری نہیں ہو سکی۔ انھیں خود اپنی بس سروِس کا پتہ نہیں۔ اور اب تو لائن ہی کٹ گئی۔ کمال دیکھو کہتے ہیں ایسی کوئی بس ہی نہیں جاتی اور تس پر کنٹرولر نے بیٹھے ہیں۔

جیوتی : لیکن آپ ہر بار پوچھتے ہی کیوں ہیں فون کر کے؟ کوئی ٹھیک سے بتاتا نہیں۔ آپ کو تو اس کا خاصا تجربہ ہے بھائی جی آپ کو جب جانا ہوتا ہے تبھی جاتے ہیں اور بس بھی مل ہی جاتی ہے ہر بار۔

ناتھ : ایسا نہیں دراصل بات یہ ہے کہ ان لوگوں کو اپنی بس سروسوں تک کا پتہ نہیں۔

جیوتی : فون کر کے کہاں پتہ چل جاتا ہے؟

ناتھ : سوال وہ نہیں ... کنٹرولر کو اپنے ٹرمینس سے روانہ ہونے والی ہر بس کے بارے میں پوری طرح معلوم ہونا چاہیے۔ اُسے اِسی کام کے لیے تو رکھا گیا ہے نا؟

جیوتی : آپ تو ایسے کہہ رہے ہیں جیسے لوگوں کو اُن کے فرائض یاد دلانے کے لیے آپ کو رکھا گیا ہو۔

ناتھ : لوگوں نے ہمارا صحیح نام رکھا ہے۔ دُنیا کو ریپیئر کرنے والے۔ پر تم بچے یہ نہیں جانتے کہ آزادی حاصل کرنے سے پہلے ہمارے تصوّر میں جو دیش تھا وہ کیسا تھا اور آج یہ کیا نظر آ رہا ہے؟ ڈِس گسٹنگ۔ اذیّت ہوتی ہے (جیوتی سے) تم نے ہمارا نیبو پانی والا تھرماس دھو کر رکھ دیا کہ نہیں؟ پچھلی بار شیونگ برش بھول گیا تھا ... اور ہاں گمچھا۔! اس کے بغیر کیسے کام چلے گا؟ جن کے گھر ٹھہریں اُن سے ایسی چھوٹی چھوٹی چیزیں مانگنا اچھا نہیں لگتا۔

(جے پرکاش ریپئرنگ کرتے ہوئے ہلکی آواز میں کچھ بڑبڑاتا ہے)

ناتھ : کیا کہہ رہے ہو؟

(جے پرکاش دوبارہ نہیں بولتا۔ ایک بار ناتھ کی طرف دیکھتا ہے اور پھر ریپئرنگ کے کام میں مصروف ہو جاتا ہے)

ناتھ : کچھ نہ کچھ چھوٹ ہی جاتا ہے۔ اس بارے میں ونوبا کی مثال یاد آتی ہے جو فالو کرنے کے قابل ہے۔

جے پرکاش : (ریپئرنگ کرتے کرتے) اب تو بہت دیر ہو چکی ہے۔

(ناتھ سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھتا ہے)

جے پرکاش: مطلب، وہ برہم چاری ہیں نا، اسی لیے کہہ رہا ہوں... (کام میں مصروف ہو جاتا ہے)

ناتھ : اس سے برہم چریہ کا تعلق نہیں ہے۔ یہ دماغی تربیت کا سوال ہے یعنی ایک ڈسپلن ہونا چاہیے اور ہم میں یہی بات کبھی نہیں آتی۔ آچاریہ جاوڑیکر کہا کرتے ہیں۔ ناتھ عقل مند تو ہیں لیکن ہیں بے ڈھنگے۔

(جے پرکاش پھک سے ہنسی کی آواز نکالتا ہے)

ناتھ : کیا؟ ذرا کھل کے ہنسو۔

جے پرکاش: میں ہنسا نہیں۔ یہ پیچ نکال رہا تھا۔

ناتھ : ارے بچو! یہ سیوا احمد نگر سے یہاں کب پہنچ رہی ہے؟

جیوتی : اگر پروگرام کل دوپہر تک ختم ہوا تو کل رات تک۔ نہیں تو آج صبح گیارہ بجے تک آنے کا کہہ رہی تھی ماں۔

ناتھ : مجھے ساڑھے بارہ بجے تک جانا ہوگا۔

جیوتی : یعنی آپ دونوں کی ملاقات ہو جائے گی۔

ناتھ : پچھلے پندرہ دنوں سے آنکھ مچولی جاری ہے۔ وہ عورتوں کے کیمپ میں شرکت

کے لیے بمبئی تو میں تقریروں کے سلسلے میں پونا، پھر جب وہ پونا میں تو میں سمتا میلے میں شرکت کے لیے اورنگ آباد میں۔

جے پرکاش: ہم دونوں ہیں نا یہاں؟ آپ دونوں کے میسیج ایک دوسرے کو پہنچانے کے لیے۔

ناتھ : سوال وہ نہیں۔۔۔ یعنی ایک دوسرے کو میسیج پہنچانا نہیں۔ ارے بھئی گرہستی نام کی کوئی چیز ہے کہ نہیں؟ بہت مصروفیت چل رہی ہے۔ اس پر بھی ایک دفعہ سنجیدگی سے سوچنا ہی پڑے گا۔

جیوتی : اس کے لیے دونوں کو پہلے اپنی مصروفیات پر روک لگانی پڑے گی۔

ناتھ : ٹھیک کہتی ہو۔۔۔ لیکن میری چورن کی شیشی بھی رکھ دی کہ نہیں؟ ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ پھر وہی۔۔۔

جیوتی : میں نے رکھ دی ہے بیگ میں۔

ناتھ : تھینک یو، تھینک یو۔ پیٹ صاف نہ ہو تو بھاشن واشن سب گڑبڑا جاتے ہیں۔ کیا کروں کچھ سوجھتا ہی نہیں۔

(جے پرکاش اُٹھ کر چلا جاتا ہے)

جیوتی : (ہچکچاتے ہوئے) بھائی جی، مجھے آپ سے کچھ۔۔۔

ناتھ : کہنا ہے؟ تو پھر کہو نا! تمھیں کسی نے روکا ہے؟ ہم اپنے گھر میں بھی ڈیموکریسی چلاتے ہیں اس پر مجھے فخر ہے۔ باہر لوک شاہی اور گھر میں تاناشاہی، ہمارے یہاں ایسا دوہرا کاروبار نہیں چلتا۔ آئی ایم آل ایرس یو نو۔ اِس طرح بیٹھ جاتے ہیں جیسے سُننے کو تیار ہیں۔

جیوتی : (کچھ زیادہ ہی جھجکتی ہوئی) ہاں۔۔۔ آتی ہی ہوگی۔ آپ دونوں سے مجھے کچھ بات کرنی تھی۔ مطلب میرے اپنے بارے میں۔۔۔

ناتھ : خوب۔ تو کہہ ڈالو۔

جیوتی : ادں ہوں۔ آپ دونوں موجود ہوں گے۔۔۔ تب کہوں گی۔

ناتھ : (اچھا (ہنس کر) ٹھیک ہے، سیوا ابھی آتی ہی ہو گی۔۔۔ (گھڑی دیکھ کر) کتنا؟ آدھا گھنٹہ کافی ہو گا تمہیں؟

جیوتی : پندرہ منٹ۔

ناتھ : بس اتنے ہی نا۔۔۔ چلو دیے۔ تمھاری ماں کی ذمّے داری تم ہی پر۔۔۔ یعنی اگر اس نے دیر کی تو پھر۔۔۔

جیوتی : پچھلے پندرہ دنوں سے میں سوچ رہی ہوں کہ آپ دونوں سے کہوں۔۔۔

ناتھ : لگتا ہے پہلے سے کافی تیاری کی ہے۔

جیوتی : آپ دونوں ایک ساتھ ملیں تب نا۔۔۔

ناتھ : یہ بات سچ ہے کہ تم بچّوں کے ساتھ ٹھیک طرح ہم دونوں بیٹھیں بات کریں ایسا کبھی ہوتا ہی نہیں۔۔۔ اور یہ بُری بات ہے۔

جیوتی : واہ یہ بھی خوب رہی "بُری بات ہے" یہ بھی آپ ہی کہیں گے یعنی ہمارے کہنے کے لیے کچھ باقی ہی نہیں رہا۔

(جے پرکاش اُلٹا اُلٹے پَن سے شرٹ پہنتا ہوا آتا ہے اور باہر والے دروازے کے قریب جاتا ہے)

جے پرکاش: ماں آگئی۔۔۔ سامان لاتا ہوں۔

(باہر جاتا ہے)

ناتھ : وقت پر آئی ہے۔۔۔ (اُٹھ کر کھڑے رہتے ہیں)

(جیوتی کھُلے دروازے کی دہلیز پر جا کھڑی ہوتی ہے)

جیوتی : (سیوا کے دہلیز پر آتے ہی اُس سے لپٹ کر) ماں۔۔۔

سیوا : (جیوتی کے پیچھے ناتھ کو دیکھ کر) میرا خیال تھا شاید آپ جا چکے ہوں گے۔

ناتھ : یعنی تمھاری توقع کے برخلاف ہوا۔ تمھارا خیال غلط ثابت ہوا اس کا افسوس ہے، لیکن بس ڈیڑھ بجے جائے گی۔ معافی چاہتا ہوں بس ڈیڑھ بجے چلتی ہے۔

سیوا : اچھا اچھا۔ بس دیر سے روانہ ہو گی اس لیے آپ رُکے ہیں۔

ناتھ : بالکل۔ ورنہ میں کھڑا بیوی کی راہ تکتا رہوں ایسا بھی کیا؟ بیوی کے انتظار سے زیادہ اہم ہے دیش کی پکار۔ (خود ہنستے ہیں)

(جے پرکاش اپنی ماں کا سامان لے کر آتا دکھائی دیتا ہے اور چلا جاتا ہے)

سیوا : دیش کی پکار نہیں بھاشن جھاڑنے کی لت کہیے۔

ناتھ : یہ کہیے ہم کو اپنی آواز سُننا پسند ہے اِس میں شک نہیں۔

جیوتی : "اور یہ بہت بُری بات ہے" کہیے۔ کہیے نا؟ بُری بات کرنے والے بھی آپ اور پھر اُسے بُری بات قرار دینے والے بھی آپ... اور کہتے ہیں ڈیموکریٹک ہوں۔

سیوا : یہ ڈیموکریسی کیسے آئی؟ مجھ سے پوچھ۔ اگر یہ ڈیموکریٹک ہوتے تو میں کسی اور کی بیوی ہوتی۔

ناتھ : ہاں ... تمھیں فیصلہ کرنے کی پوری آزادی تھی۔

سیوا : ٹھیک ہے لیکن اگر مَیں انکار کر دیتی تو یہ سنیاس لے کر ہمالیہ کی طرف چلے گئے ہوتے ...

ناتھ : ... جیسے کہ ہماری دھمکیوں سے ڈر کر ہم سے شادی کے لیے راضی ہوئی ہیں۔

سیوا : پھر، تم کیا سمجھتے ہو مَیں اپنی خوشی سے راضی ہوئی تھی؟

ناتھ : ایک بات بتائیں جیوتی ... اُس زمانے میں ایک دو بڑے لیڈر ان میں انٹرسٹیڈ تھے۔ ہم ٹھہرے ان کے مقابلے میں کھّر ڈیا فورتھ ریٹ ورکر لیکن جیت ہماری ہوئی۔

جیوتی : (ناتھ کے انداز میں) اور یہ بُری بات ہے۔

(سب ہنستے ہیں۔ جے پرکاش اندر سے پانی کا گلاس لے کر آتا ہے اور ماں کے قریب کھڑا ہو جاتا ہے)

سیوا : (پانی پی کر) تب ایسا لگا تھا، آدمی یہ "ٹھیک" ہی ہیں آگے چل کر منتری وغیرہ بن سکتے ہیں۔ بن ہی جائیں تو ذرا اِترانے کا موقع ملے۔ لیکن ایسا ہوا کچھ نہیں۔ اتنی بڑی جنتا پارٹی کی سرکار آئی اور گئی مگر یہ رہے اپنے معمولی ایم ایل اے۔

ناتھ : ارے ہماری سوشلسٹ سرکار بننے دو پھر دیکھنا۔ ہیں کون دوسرے کرسی لینے والے؟

جے پرکاش: (دھیمی آواز میں) مزیدار سپنے .....

ناتھ : ارے ہاں ہاں۔ ویسے ہی سپنے۔ چمتکار پر ہم یقین رکھتے ہیں۔ (کچھ یاد آتے ہی گھڑی دیکھ کر) مائی گاڈ۔ (سیوا سے) دیکھو اپنی جیوتی کو ہم لوگوں سے کچھ کہنا ہے۔ ہم لوگوں سے یعنی تم سے اور مجھ سے اور ہم لوگ ایک ساتھ ملتے ہی نہیں اسی لیے ابھی اس نے ہم سے اپوئنٹمنٹ لے رکھا ہے پندرہ منٹ کا ... (جیوتی سے) پندرہ ہی نا ...؟ ہم لوگ اِس سے بات کریں گے ... سوری اُس کی بات سُنیں گے ... (جیوتی سے) ہے نا؟ ہاں تو اب (سیوا سے) آپ اُس کرسی پر پندرہ منٹ کے لیے خاموش بیٹھ جائیں میں (دوسری کرسی پر بیٹھ کر) یہاں بیٹھتا ہوں (جے پرکاش کو دیکھ کر) اور یہ صاحب؟ (جیوتی سے) انھیں یہاں رہنے دیں؟

جے پرکاش: میں چائے بنانے جاتا ہوں۔ (اندر چلا جاتا ہے)

ناتھ : (جیوتی سے) نائم (سیوا سے) ہاؤ واز دا میلا شِور؟ کیمپ کیسا رہا؟ عورتیں اچھی تھیں؟ میرا مطلب ہے رِسپیکٹیبل تھیں نا؟

سیوا : سب تو نہیں تھیں پر تین چار ضرور سیریس تھیں جو رِسپیکٹیبل نظر آئیں۔

ناتھ : تین چار تھیں تو بُری نہیں۔ ناٹ بیڈ۔ ہمارے ورکرز کے کیمپ میں سبھی پچاس کے اُوپر کے یعنی بوڑھے تھے جوانوں میں سب سے جوان ہمارے چالیس سال کے واسن

بروتے ہتے۔ اور گانا " اُٹھاؤ جھنڈا کرانتی کا ساتھیو !"۔ کیسے سر پر کرانتی کا جھنڈا اٹھائیں ؟ پہلے تو اُٹھوانے والا ہی نہیں اور اگر اٹھا بھی لیں تو وزن نہ جھیلا جائے۔ سلپڈ ڈسک ہو جائے۔

(جیوتی کھڑی سن رہی ہے)

ناتھ : (جیوتی سے) یس ؟ تم کھڑی کیا دیکھ رہی ہو ؟ او ہو ہو آئی سی ، سوری ، نہیں ایک دم سوری ، سچ جیوتی غلطی ہو گئی (سیوا سے) ارے ہم تو اس کی بات سننے بیٹھے تھے اور ہم ہی . . . (جیوتی سے) جیوتی بیٹے وی اپولوجائز ناؤ یو اسٹارٹ۔

سیوا : (اُٹھ کر) میں ذرا منہ ہاتھ دھو کے آتی ہوں ؟ سفر میں تھی نا۔ ابھی آئی . . .

ناتھ : (اس کا ہاتھ پکڑ کر روکتے ہوئے) " نو ٹیبن نو" میرا جانے کا ٹائم ہو جائے گا اور بے چاری کو پھر ہم دونوں کے ایک ساتھ ملنے تک انتظار کرنا پڑے گا۔ ابھی اس وقت اور کچھ نہیں۔ وی لسن ٹو جیو (جیوتی سے) ہاں شروع کرو۔

جیوتی : نہیں ، ماں کو منہ ہاتھ دھو لینے دیجئے۔

ناتھ : نہیں ہم لوگ پہلے تمہاری بات سُنیں گے ، دُنیا بھر کے لیے اتنا سارا کرتے ہیں اور اپنے ہی بچّوں کے لیے ہمارے پاس وقت نہیں ؟ماں باپ کہلاتے ہوئے ہمیں شرم آنی چاہیے۔

سیوا : لیجیے ، مَیں بیٹھ گئی ۔ خواہ مخواہ بڑ بڑا کے وقت برباد کر رہے ہو اب ذرا سنو۔ ہاں ، بولو جیوتی۔

جیوتی : (ایک بار پھر متذبذب ہو کر) پتہ نہیں کہ وہ اتنی اہم بات ہے کہ نہیں . . . میں خود ہی طے نہیں کر پا رہی ہوں . . . مطلب میں نے شادی کرنے کا طے کیا ہے . . .

ناتھ : (پُر جوش انداز میں) کانگریچولیشن۔

سیوا : (حیرت سے) طے کیا ہے ؟ . . .

ناتھ : (سیوا سے) کیوں ؟ اس کے طے کرنے پر تمھیں کیوں اعتراض ہے ؟ شی از اے میچر ناؤ۔
... چھوٹی نہیں ہے۔

سیوا : مَیں کب کہتی ہوں کہ بچّی ہے ؟ تم اپنی کہو۔

ناتھ : کیا کہوں ؟

سیوا : ایسی اُمید نہیں تھی نا ؟

ناتھ : تمھاری جوان بیٹی گیا ... زندگی بھر ...

سیوا : (جھنجھلا کر) کسی بات کے معنی کو بے معنی کر دینا تو آپ کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔

ناتھ : اِسی لیے تو اب تک سیاست میں ٹِکا ہوا ہوں۔

سیوا : لیکن یہاں گھر میں تو اپنی سیاست مت چلائیے۔ بچّی کیا کہہ رہی ہے، ذرا وہ بھی سُنیے۔

ناتھ : سُن تو رہا ہوں۔ آپ ہی بحث شروع کر رہی ہیں (جیوتی سے) ہاں آگے کہو بیٹے
کون لڑکا ہے ؟ کون ہے وہ شہزادہ ؟

(جے پرکاش چائے کی ٹرے لے کر آتا ہے)

(جے پرکاش سے) تُم بھی یہاں بیٹھو، سُنو ایک گڈ نیوز۔ اپنی جیوتی کی شادی طے ہو گئی ہے۔ جیوتی تُو بتا کہ وہ کون ہے ؟ اب زیادہ طول نہ دے۔

(سیوا سنجیدہ ہے)

جیوتی (پریشانی اور سنجیدگی سے) ان کا نام ہے ارُون آٹھوَلے۔

ناتھ : (جیسے اوسان خطا ہو گئے ہوں) براہمن ہے ؟

جیوتی : نہیں دَلِت ہے۔

ناتھ : (پُرجوش انداز میں) مارولس ۔ سرنیم سے مجھے لگا جیسے براہمن ہے۔

جے پرکاش: کیوں براہمن ہوتا تو کیا ہوتا ؟

ناتھ : ہوتا کچھ نہیں مگر میری بیٹی اگر اپنی ہی جات میں شادی کرتی تو مجھے زیادہ اچھا نہ لگتا۔

... صاف کہہ رہا ہوں۔

جے پرکاش: یہ ایک دوسری قسم کا جاتی واد نہیں ہوا کیا؟

سیوا : (سنجیدگی سے) پرکاش تو چپ رہ۔ (جیوتی سے) کیا کرتا ہے وہ؟ کہاں رہتا ہے؟

جیوتی : یہیں پونا میں رہتا ہے۔ بی اے کے ٹرمس پورے کر رہا ہے۔ پارٹ ٹائم سروس کرتا ہے "مزدور سماچار" میں۔

سیوا : تجھ سے کہاں ملاقات ہوئی؟

جیوتی : سماج وادی وچار منڈل میں کوئی دو مہینے سے وہاں آتا رہا ہے۔

سیوا : ماں باپ کیا کرتے ہیں؟

ناتھ : آئی اوبجیکٹ ٹو دِس کوئشچن۔ ماں باپ کچھ بھی کرتے ہوں یا نہ کرتے ہوں ہمارا تعلق لڑکے سے ہوتا ہے۔

سیوا : میں لڑکے ہی کے بارے میں پوچھ رہی ہوں۔

جیوتی : ماں باپ دونوں گاؤں میں رہتے ہیں۔ کراڑ کے پاس چردلی نام کا گاؤں ہے وہاں ان کی تھوڑی سی زمین ہے۔

سیوا : بچے کتنے ہیں اُن کے؟

جیوتی : سات — ارون دوسرے نمبر کا ہے۔

سیوا : (تذبذب اور معنی خیز خاموشی توڑ کر) بڑا بھائی کیا کرتا ہے؟

جیوتی : اصل میں کچھ نہیں کرتا۔

سیوا : کیوں؟

جیوتی : وہ ایسا ہی ہے۔ یہ ارون کہہ رہا تھا۔ باپ کھیتی کرتے ہیں لیکن اس میں ان کا گذارہ نہیں ہوتا۔ ارون کو ہر ماہ گھر روپیہ بھیجنا پڑتا ہے۔

سیوا : اور جو بھائی ہیں، وہ کیا کرتے ہیں؟

جیوتی : جو جی میں آتا ہے سیکھتے ہیں لیکن سچ تو یہ ہے کہ وہ بھی کچھ نہیں کرتے۔

سیوا : ان پر قرض بھی ہوگا؟

جیوتی : ہوگا۔ کتنا ہے؟ یہ مَیں نے پوچھا نہیں۔

سیوا : یعنی ساری ذمہ داری ارون ہی کے سر ہے۔

جیوتی : جی ہاں۔

ناتھ : اس طبقے کی نمائندہ تصویر ہے اس میں اور خاص کیا ہے؟

سیوا : آپ ذرا مجھے بولنے دیں گے کیا؟

ناتھ : ضرور ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پر دلت سماج کا لڑکا کہنے پر ۔ ۔ ۔

سیوا : کیا میں اتنا جانتی نہیں؟ ۔ ۔ ۔ اناڑی سمجھتے ہو؟ (ناتھ کے خاموش ہوجانے پر جیوتی سے) اس لڑکے کو تم کتنے دنوں سے جانتی ہو؟

جیوتی : زیادہ سے زیادہ دو مہینوں سے۔

سیوا : لڑکا سمجھدار ہے؟

جیوتی : ہے۔ لیکن غیر معمولی نہیں ۔ ۔ ۔ نظمیں اچھی لکھتا ہے۔ مجھے اس کی نظمیں ہی پسند آئیں۔

ناتھ : یعنی ویسے اس طبقے کے لڑکوں میں شاعری کرنے کی صلاحیتیں قدرتی طور پر ہوتی ہیں۔

جیوتی : وہ آج کل اپنی آتم کتھا لکھ رہا ہے۔ پڑھ کر لگا کہ اس کی خوشی کی خاطر کچھ بھی کر سکتی ہوں۔

ناتھ : واہ! جیوتی!

سیوا : (ناتھ سے) آپ کیا ذرا مجھے بھی بولنے دیں گے؟ (جیوتی سے) مزاج کا کیسا ہے؟

جیوتی : میں یہ تو نہیں کہہ سکتی کہ بہت اچھا مزاج رکھتا ہے لیکن میرا اپنا تجربہ بُرا نہیں ۔ ۔ ۔ مطلب تھوڑا بہت جو بھی ہے۔

سیوا : بھروسے کے قابل ہے؟

ناتھ : آئی او بجیکٹ ۔ بھروسے کے قابل نہ ہوتا تو میری بیٹی سے شادی کا کیوں طے کیا ہوتا؟
صرف اس بات پر کہ وہ دَولت ہے اس کے بارے میں . . .

سیوا : وہ دَولت ہے اس کا میری بات سے کوئی تعلق نہیں . . . مجھے بس اتنا ہی جاننا ہے
کہ وہ آدمی بھروسے کے قابل ہے کہ نہیں ؟

جیوتی : مجھے لگتا ہے کہ اس پر بھروسہ کیا جاسکتا ہے اس کی نظموں نے اور اس کی آتم کتھا نے مجھے
پُورا یقین دلایا ہے ۔

سیوا : بس اتنی سی جان پہچان کے بَل پر اُس کے ساتھ شادی طے کر لی اور بے فکر
ہو گئی ۔

ناتھ : ہم میں ایسی کون سی بات تھی بھروسے کے قابل سمجھنے کی ، کہ تم شادی کے
لئے رضامند ہو گئی تھیں ؟ صرف ہمارا چُلبلا پن ہی تو تھا اُس وقت ۔

سیوا : وہ بات اور تھی ۔ میں تمھیں برابر دیکھتی آرہی تھی ۔ تم ، تب اور اب کے سوال کو لے کر
غلط فہمی میں مت پڑو ۔ (جیوتی سے) جیوتی میرے خیال میں تم جلد بازی کر رہی ہو ۔
تم لوگوں کی جان پہچان ہوئے پورے دو ماہ بھی نہیں ہوئے ۔ اس کے بارے میں
تمھیں پوری طرح صحیح معلومات بھی نہیں اور جو ہیں وہ بھی زیادہ امید افزا نہیں . . .

ناتھ : اس لیے دو چار سال رُکو ۔ پوُری پوُری جانکاری حاصل کرو پھر اُس کا گہرائی سے مطالعہ
کرو ۔ اس کے بعد شادی کی بات پر غور کرو ۔ نان سنس !

جے پرکاش: اس میں نان سنس کیا ہے بھائی جی ؟ شادی آخر زندگی بھر کا رشتہ ہے ۔

ناتھ : تم نے کسی کو دیکھا اور اسی لمحے اُسے دل میں بسا لیا ۔ یعنی ایسا کیا ہوتا ہے ؟ تمھیں بھی
اس کا تجربہ ہوا ہے برخوردار ؟ ارے یہ پڑھ پڑھ کر سمجھ میں آنے والی چیز نہیں ۔ دِل
سے دل کی گرہیں بندھنے لگتی ہیں ۔ سمجھے !

جے پرکاش: ایسا کچھ ہو' ہے ایسا جیوتی تو نہیں کہہ رہی ۔

ناتھ : ایسا ہی ہوا ہوگا۔ کیوں جیو؟

(جیوتی نفی میں سر ہلاتی ہے)

جے پرکاش: لیجئے وہ تو انکار کر رہی ہے۔

ناتھ : تمھارا پریم کچھ جما نہیں۔

جیوتی : پتہ نہیں۔ ارون نے پوچھا تھا میرے ساتھ شادی کرنے کا خیال کتنا بھیانک لگتا ہوگا؟ میں نے کہا اس میں بھیانک لگنے کی کیا بات ہے؟ وہ بولا کہ میں تجھے ایک دم کنڈم آدمی نہیں لگتا؟ میں نے کہا نہیں تو۔ یہ سُن کر وہ بولا کہ حیرت ہے۔ تو پھر تو میرا خیال ہے کہ ہم لوگ شادی کر ہی ڈالیں۔ میں نے سر ہلا کر حامی بھر لی۔

ناتھ : (جیسے کوئی غیر متوقع بات ہو) تمھارے دل میں کوئی طوفان وغیرہ نہیں اُٹھا؟ (جیوتی کے سر ہلا کر انکار کرنے پر) رگوں میں ست رنگے سُر امڈتے محسوس نہیں ہوئے؟ (اُس کے سر ہلا کر انکار کرنے پر) خاموش جذبات کی آندھی؟ (وہ پھر انکار کرتی ہے)

جیوتی : سچ پوچھو تو خود تعجب ہوتا ہے ایسا ہی لگا جیسے کسی نے پوچھا ہو چائے پیو گی؟ اس کے بعد مجھے یہ سب غلط لگتا رہا تھا۔

سیوا : (سنجیدہ ہو کر) زندگی بھر کا فیصلہ کرتے وقت کھیل نہیں کیا کرتے جیوتی۔

جیوتی : میں کافی سنجیدہ تھی ماں۔

سیوا : کیسے کہہ سکتی ہو کہ تم نے سمجھداری کا کام کیا؟

جیوتی : لگتا تو ہے لیکن کبھی ایسا بھی لگتا ہے کہ نرا گدھا پن کیا۔

سیوا : تم نے جلد بازی کی ... جیوتی ...

ناتھ : یہ جو تم فیصلہ دے رہی ہو یہ جلد بازی نہیں ہے؟ ہم لوگوں نے ابھی تک یہ بھی نہیں دیکھا ہے کہ لڑکا گورا ہے یا کالا ...

(سیوا اُنھیں ناپسندیدہ نظروں سے دیکھتی ہے)

ناتھ : کیا میں غلط کہہ رہا ہوں ؟ سچ کہو۔

جیوتی : میں اُسے آپ لوگوں سے ملنے کے لیے یہاں بلاؤں گی۔

سیوا : آئے گا تو ہم دیکھ ہی لیں گے لیکن شادی کرنے وقت کم سے کم اتنا تو لڑکی کو دیکھنا ہی چاہیے کہ لڑکا اپنے پیروں پر کھڑا ہے یا نہیں۔ دُنیا کے رسم و رواج سے بھی جُڑنا چاہیے... آخر شادی کا معاملہ ہے۔

ناتھ : اگر عہد کرلیں تو جینے کا طریقہ بدلنا کوئی بڑی چیز نہیں ہے اور اپنے پیروں پر کھڑے رہنے کا آئیڈیل ہر آدمی کا الگ ہو سکتا ہے۔ وہ بی اے کر ہی رہا ہے پاؤں کیوں نہیں جما پائے گا ؟

سیوا : کیوں کا کیا سوال ہے ؟ یہ بھی تو دیکھو کہ اُس کی مالی حالت کیسی ہے اور اس پر ذمّہ داریاں کتنی ہیں ؟

ناتھ : اگر ذمّہ داریاں نہیں اُٹھا پائے گا تو ہماری جیوتی اُس کے لیے روپیہ کمائے گی۔ وہ کوئی گھر گھُسنی ہاؤس وائف نہیں ہے۔

سیوا : (کچھ چڑھ کر) بر لڑکا دیکھے بغیر تم اس کی وکالت کیوں کر رہے ہو ؟ جیوتی کے بیاہ کی جلدی تمھیں کیوں ؟

جے پرکاش: یہ بھی صحیح ہے بھائی جی...

ناتھ : ٹھیک ہے، میری بس کا ٹائم ہو گیا۔ میں چلتا ہوں... تو کیا تجویز منظور کی ہے ہم نے ؟ جب تک لڑکے سے ملاقات نہیں ہو جاتی تب تک راہ دیکھیں گے مگر راہ دیکھنے کے بعد کیا کریں گے ؟ (جیوتی سے) تم فیصلہ کر چکی ہو۔ کر چکی ہو نا ؟...

سیوا : اُس پر دوبارہ بھی سوچا جا سکتا ہے۔

جیوتی : پتہ نہیں، پر میں آپ لوگوں کی رائے جاننا چاہتی ہوں۔ سچ تو یہ ہے کہ پہلے ہی جان لینی چاہیے تھی لیکن یہ سب بالکل اچانک ہو گیا۔

ناتھ : کوئی بات نہیں جیوتی ، ڈونٹ وری ۔ ہم ہیں تو سہی ۔ جے پرکاش سامان لے کر چلو
بھئی رکشہ دیکھو۔

(دونوں چلے جاتے ہیں)

سیوا : (جیوتی سے) مجھے اس بارے میں کچھ نہیں کہنا کہ وہ دَلت ہے ۔ تم جانتی ہو کہ مَیں
اور ناتھ دونوں چھُوا چھُوت کے خلاف جانے کب سے ایمان داری سے لڑتے
چلے آرہے ہیں ۔ سوال وہ نہیں ہے لیکن تمھارے جینے کا ایک طریقہ بن چکا ہے
ایک خاص طرح کی روایات اور ماحول میں تم پلی ہو ان سب کو چوبیس گھنٹوں میں
مٹا دو یا بدل دو ، ایسا نہیں ہو سکتا ۔ اُس کا جینے کا انداز بالکل الگ قسم کا ہے
اس کے ساتھ شاید تم نبھا نہ سکو . . .

جیوتی : مَیں نبھا لوں گی ماں ۔

سیوا : ایسا ہم کہہ تو سکتے ہیں لیکن کرنا بہت مشکل ہے . . . اور بعد میں عورت ذات کے
لئے بھاگ جانے کا راستہ بھی نہیں رہ جاتا ۔

جیوتی : مجھے تو ایسا نہیں لگتا کہ میں بھاگوں گی ۔

سیوا : اچھی طرح سوچ لو اور پھر کوئی فیصلہ کرو ۔ میری تو یہی رائے ہے ۔

جیوتی : ایسا نہیں ہے ماں کہ میں نہیں سمجھتی . . . لیکن جو کچھ بھی ہوا ہے ، کیسے ہوا ؟ اس
بات پر خود مجھے بھی حیرت ہوتی ہے ۔ کیسے ہوا یہ میں بھی نہیں جانتی ؟ آج تعجب ہوتا ہے
اور سوچتی ہوں تو اُس کی گمبھیرتا کا احساس ہوتا ہے ۔

سیوا : یہ تو کوئی سمجھداری کی بات نہیں ہے ۔

جیوتی : واقعی نہیں ہے لیکن یہ بھی سچ ہے کہ ایسا ہوا ہے ۔

سیوا : اب بھی اسے بدلا جا سکتا ہے ۔

(جیوتی اس پر کچھ کہنا چاہتی ہے اتنے میں ناتھ اور ان کے پیچھے سے پرکاش

سفر کا سامان لیئے ہوئے آتے ہیں)

ناتھ : اچھا بھئی، ہم چلتے ہیں ٹاٹا (سیوا سے) آپ کتنے دن گھر میں رہیں گی؟

سیوا : اس ہفتے یہیں ہوں۔ کہیں سفر پر نہیں جانا ہے البتہ تیرہ تاریخ کو بمبئی میں ہمارے وِدّیا وَردھنی ٹرسٹ کی میٹنگ ہے۔

ناتھ : دیٹس ونڈرفل! یعنی مجھے اپنا نگر کا کام کرانے میں کوئی دقت نہیں ہوگی۔ پرسوں کے بعد کی شام تک لوٹ آؤں گا۔ آنے کے ساتھ ہی ایک میٹنگ ہے۔ بائی... ڈِین کیری آن جیوتی...

(باہر جاتے ہیں اُن کے پیچھے سامان اُٹھائے جے پرکاش بھی چلا جاتا ہے)

سیوا : (بے حد سنجیدگی سے) ایک بات پوچھوں جیوتی؟

(جیوتی سر ہلا کر ہاں کہتی ہے)

سیوا : اس کے ساتھ کس حد تک دوستی بڑھائی ہے تم نے؟... ذرا صاف صاف کہوں تو... کتنے قریب آئے ہو تم لوگ؟

جیوتی : آپ سوچ رہی ہیں اُس حد تک نہیں۔ ہم لوگ ملتے ہیں، باتیں کرتے ہیں بس اتنے ہی۔

(سیوا اطمینان کی سانس لیتی ہے پھر بھی کچھ پریشان سی ہے)

سیوا : اچھا پہلے میں اپنا سامان رکھ دوں پھر آتی ہوں۔ آئی ہوں تب سے بیٹھی ہی ہوں...

جیوتی : ماں، مَیں نے تمھیں بہت تکلیف تو نہیں پہنچائی نا؟...

سیوا : چل پگلی۔ اپنی ماں کو نہیں تو کسے تکلیف دے گی؟... مجھے صرف تیری فکر ہے...

جیوتی : سوری ماں۔ تمھارے اور بھائی جی کے پیچھے ویسے بھی پریشانیاں لگی رہتی ہیں۔.. ان میں ایک اور میری بھی آگئی۔

سیوا : (اسے تھپتھپا کر) باؤلی ہے تو... تم بچّے ہمارے لیے بوجھ ہو گیا؟

(جیوتی اندر چلی جاتی ہے)

(سیوا چند لمحے بے چینی کے عالم میں کھڑی رہتی ہے۔
ٹیلی فون کی گھنٹی بج اُٹھتی ہے۔
کچھ دیر بجتی ہی رہتی ہے۔
سیوا پہلے تو کوئی توجہ نہیں دیتی
پھر کچھ توقف کے بعد ریسیور اُٹھاتی ہے۔
فون پر بات کرتی ہے۔)

سیوا : ہیلو؟ کون کُسم؟ بولو کیا بات ہے؟ عورتیں بیٹھی ہوئی ہیں؟ وہ گودریج والا آرڈر پُورا ہوگیا؟ ... اچھا مہتا کمپنی کے مینجر کو فون کرکے دیکھو... کہنا کچھ تو کام دیجئے... عورتیں بیکار بیٹھی ہیں... ہاں انھیں اندازہ ہے ہمارے کام کا... کسی طرح کام نکالو... ناراض ہوگا۔ مگر کام کرے گا (ذرا رُک کر) سُندر بائی کے بارے میں سوچنا پڑے گا... اس کا برتاؤ ٹھیک نہیں...

(سیوا فون پر محوِ گفتگو۔ اسٹیج پر بتدریج اندھیرا)

○

پہلا ایکٹ

دوسرا منظر

پہلا ایکٹ : شام کا وقت

دوسرا منظر : (وہی دیوان خانہ ۔ دیوان خانے میں کوئی نہیں ہے ۔
باہر سے دروازہ کھولا جاتا ہے ۔
جیوتی اندر آتی ہے ۔ اُس کے پیچھے ارون آہستہ سے آتا ہے ۔
عمر پچیس کے آس پاس ۔ رنگ کالا ۔
چہرے پر کچھ سختی کے آثار تاہم دیکھنے میں اچھا لگتا ہے ۔
دونوں کے اندر آجانے کے بعد جیوتی دروازہ بند کر دیتی ہے ۔
دروازہ بند ہو جانے اور مکان میں صرف دونوں کے تنہا ہونے کا احساس
جیوتی اور ارون دونوں کو ہے ۔
انجانے ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں ۔ دونوں کچھ پریشان سے لگتے ہیں ۔)

جیوتی : (اپنی پریشانی پر قابو پاتے ہوئے) بیٹھو... بیٹھو نا ، سب لوگ اپنے اپنے کام سے گئے ہوئے ہیں اب آتے ہی ہوں گے ۔

(ارون صوفے کے قریب آتا ہے ہچکچاتے ہوئے بیٹھ جاتا ہے)

جیوتی : جے پرکاش ... میرا بڑا بھائی ... ایم ۔ ایس ۔ سی کر رہا ہے ۔ پانچ بجے کے آس پاس لوٹتا ہے ۔ ماں نے ساڑھے پانچ بجے کے قریب آنے کو کہا تھا ۔ بھائی جی گھر

پر ہی رہنے والے تھے لیکن ایسا لگتا ہے کہ انھیں کہیں جانا پڑ گیا (اِدھر اُدھر دیکھتی ہے اور ایک چھٹی اُٹھاتی ہے) یہ کیا ہے؟ چھٹی رکھ گئے ہیں۔ (پڑھنے کے بعد) ساڑھے پانچ بجے تک پہنچتا ہوں ایسا لکھا ہے۔ لیکن ان کا کچھ بھروسہ نہیں۔ ساڑھے چھ تک لوٹ آئیں تو بھی غنیمت ہے۔ لیکن آج لوٹیں گے ضرور تم سے ملنے کی انھیں بڑی خواہش ہے۔ تم بیٹھو۔ میں ہاتھ منہ دھو کر ابھی آتی ہوں۔

(جانے لگتی ہے)

ارون : جیوتی۔۔۔

جیوتی : (رک کر) کیا ہے؟

ارون : تم یہیں بیٹھو نا۔

جیوتی : (واپس آتے ہوئے) کیا ہے؟ میں آ تو رہی تھی۔۔۔

ارون : بڑے مکانوں کا اپن کو بھروسہ نہیں۔۔۔

جیوتی : بھروسہ نہیں؟ مگر یہ مکان بڑا کہاں ہے؟۔۔۔

ارون : میرے باپ کی جھُگیا دیکھو گی تبھی سمجھو گی۔ آٹھ اِنٹو دس کی اُس جھُگیا میں ہم دس دس جنے رہتے ہیں۔ جاڑے میں ایک دوسرے کے بدن کی گرمی ساتھ دیا کرے۔ بدن پہ کپڑا نہیں، پیٹ میں روٹی نہیں مگر ڈر راستے میں نہیں آتا۔ یاں شہر کے مکان مگر مچھ کے پیٹ کی طرح لگتے ہیں اور اس میں ہر ایک آدمی اکیلا۔

جیوتی : ہمارے گھر میں ایسا نہیں ہے۔

ارون : کل رات کو نکھل کے سنگ ہوٹل میں رہا۔ ڈائلیکٹیکل میٹریل ازم سمجھا رہا تھا۔ دیر ہو گئی تو بولا کہ یہیں سو جاؤ۔ وہ تو فٹ سے سو گیا۔ میں جاگتا رہا۔ لگتا تھا آنکھ جھپکی تو گھر مجھے نگل جائے گا۔

جیوتی : چلو۔۔۔ ایسا کیسے لگ سکتا ہے؟ گاؤں سے پونا آئے ہوئے کئی برس نہیں ہو گئے

نہیں . . . اور اس وقت رات بھی نہیں اچھا خاصا دن ہے۔

ارون : اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ یہ بڑے بڑے مکان ہیں ہی مگر مچھ جیسے کبھی بھی آدمی کو نگل جائیں۔

جیوتی : مجھے تمھاری بات عجیب لگ رہی ہے، کوئی چوروں سے ڈرتا ہے، کوئی ڈاکوؤں سے، کوئی بھوت پریت سے، مگر گھر کا کیسا ڈر؟ بلکہ وہ تو زیادہ محفوظ معلوم ہونا چاہیے۔

ارون : اپن کو تو سڑک پہ میفوز لگتا ہے۔ سڑک پہ جتنی زیادہ بھیڑ ہو اتنے ہی اپن نڈر سیمینٹ کنکریٹ کی چار دیواروں میں اکیلے پڑتے ہی دل دہلتا ہے اپنا۔ بھیڑ میں کھو جانے کو جی چاہتا ہے۔

جیوتی : اچھا میں چائے تو بننے کے لیے رکھ دوں . . . جاکر . . .

ارون : مت رکھو . . .

جیوتی : پھر کیا کروں؟

ارون : یاں بیٹھو میرے پاس . . .

جیوتی : نہیں تو ایسا کرتے ہیں کہ میں چائے بناتی ہوں، تم وہیں کچن میں بیٹھ کے مجھ سے گپ شپ کرتے رہو۔ چلو . . .

ارون : نئیں کچن میں بیٹھ کے گپیں لڑانے والے مرد زنانے ہوتے ہیں۔ اَپن یئیں بیٹھیں نا . . .!

جیوتی : (کچھ ناراض ہوکر) ٹھیک ہے۔

ارون : تمھیں تو اب لگتا ہوئے گا کہ یہ کیسا آدمی ہے؟ ہے نا؟

جیوتی : نہیں، ایسی بات نہیں . . .

ارون : یہ بھی لگتا ہوئے گا کہ کتنا بور ہے۔

جیوتی : ایسا کیوں کہتے ہو؟

ارون : ایسے ئی ہوگا کیونکہ اپنا مزاج ہی الگ ہے۔ خاص مہار ٹولے کا مزاج ہے اپنا۔

جیوتی : ایسامت بولونا؟

ارون : ہمارے باپ دادا جو تڑکی منگوائی چھینٹے تک ننگے پاؤں میل میل سندیشہ پہنچانے کے لیے دھوپ میں، بارش میں، رات برات گھومتے پھرتے تھے۔ سلام مائی باپ کا شور وغل کرتے۔ اس پے کہ وہ براہمنوں کے نزدیک ناپاکی کے پتلے تھے۔

جیوتی : ارون ...

ارون : پیٹ کی لت، سالی بھیک میں ملی باسی چمڑی روٹی کھانے کی، بیڑھی در پیڑھی مُردہ ڈھور کا مانس مزہ لے لے کے کھایا کرے ہماری جیبھ۔ تمھاری بنا سُکڑن والی ٹینوپال سے اُجلی زندگی میں اِن فٹ ہی نہیں بیٹھتے۔ سوندھی گھی چپڑی تمھاری تہذیب سے ہماری باسی دال بھات والی تہذیب کا رشتہ ہی کیا ہے!

جیوتی : ارون ...

ارون : میرے سے سادی کرکے میرے باپ کی جھپڑیا میں دو دن کی سڑی بُسی دال کے سنگ باسی روٹی کھا سکوگی تم، بنا اُلٹی کیے؟ بولو جیوتی! میری ماں کے سنگ ہماری بستی مہار ٹولے کے گندے نالے پر روز روز ٹٹی پھرنے جا سکوگی تم؟ اپنی بھینس کے واسطے دَر دَر پہ گڑگڑا کے گھاس کی بھیک مانگ سکتی ہو تم؟ بولو بولو اب ...

(جیوتی دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیتی ہے)

ارون : سادی کرکے چلی ہے میرے سنگ ... راشٹر سیوا دل کی سرمدان کی چھاگنی نہیں ہے ہماری زندگی ... یعنی ہماری زندگی نرک ہے نرک۔ زندگی نام کا نرک۔

(جیوتی سسکیاں لے رہی ہے)

ارون : سوری، کھوپڑی آؤٹ ہو گئی اپنی۔ ایسی ہوتا ہے۔ تمھارے لیے یہ نیا ہوئے گا۔ کبھی کبھی آگ بڑھکتی ہے کہ جلا کے کھاک کر دوں دُنیا کو۔ گلا گھونٹ دوں ... زبردستی بدکاری کر دوں، خون پی جاؤں۔ اُونچے طبقے نام کے راکشس ... کا...

پھر خود ہی ٹھنڈا پڑ جاتا ہوں جیسے میرے جسم پر کسی کا سایہ ہو جو کبھی چڑھتا ہے اور پھر اُتر جاتا ہے۔ مُردے کی طرح جیتا رہتا ہوں۔ تم کو تکلیف پہنچی ہو تو معاف کرنا میں ہوں ہی تکلیف دینے والا۔

(جیوتی کی سسکیاں بند ہو گئیں لیکن وہ اب تک چہرہ ڈھانپے ہوئے ہے)

ارون : معاف کرو، بولو نا کوئی آ جائے تو کہے گا میں نے نہ جانے کیا کیا ہو گا۔ دھکے مار کر باہر نکال دیں گے۔ میرا کچھ نہیں جانے والا۔ تمھاری شادی رہ جائے ایسا چلے گا کیا؟

(جیوتی اپنے چہرے سے ہاتھ ہٹا کر آنسو پونچھنے لگتی ہے)

ارون : ہنسی رے ہنسی، ایک بامن کی بیٹی پھنسی (تالی بجا کر ہنستا ہے)

(جیوتی ہنسنے لگتی ہے۔
دروازہ کھول کر جے پرکاش داخل ہوتا ہے۔
یہ دیکھتا ہے۔ ہچکچاہٹ محسوس کرتا ہے۔
اندر سے دروازہ بند کرتا ہے)

جیوتی : (دروازہ بند ہونے کی آواز سُن کر دھیان جاتا ہے) کون؟ پرکاش؟

(جے پرکاش کی ہچکچاہٹ ختم نہیں ہوئی۔ وہ اندر جانے لگتا ہے)

جیوتی : ٹھہرو نا، یہ ارون ہے (ارون سے) یہ میرا بھائی جے پرکاش۔

(ارون اور جے پرکاش ایک دوسرے کو تکلّفاً نمسکار کرتے ہیں۔
جیوتی کو قریب سے دیکھ کر جے پرکاش جان گیا کہ وہ رو رہی تھی۔)

جے پرکاش : (اندر کی طرف جاتے ہوئے) ابھی آیا۔ (جاتا ہے)

جیوتی : (آنکھیں پونچھ کر ہنستے ہوئے) پتہ نہیں کیا سوچا ہو گا اُس نے؟

ارون : یہی کہ میں نے تمھیں مارا ہے۔

جیوتی : رکھ لاڈ میں آکر آہستہ سے ا جاؤ جاؤ۔ ۔ ۔ بڑے آئے مارنے والے۔

ارون : کیوں؟ کیوں؟ تمھیں مارنا مشکل ہے کیا؟

جیوتی : میں کوئی چھوئی موئی قسم کی لڑکی نہیں ہوں۔ ۔ ۔ سیوا ؤں میں جاتی ہوں۔ ۔ ۔

(اس پر ارون اُس کا ہاتھ پکڑ کر مروڑ دیتا ہے۔
جیوتی درد سے کراہتی ہے۔ اسے درد سے زیادہ شاک لگتا ہے۔
یہ ایک لمحے میں ہوتا ہے۔ جیوتی کچھ نہیں پاتی کہ یہ کیا ہو گیا۔
وہ گھبرائی ہوئی اور دُکھی ہے۔ روہانسی نظر آتی ہے۔
ہاتھ پر پھونک مار کر درد کم کرنے کی کوشش کرتی ہے۔)

ارون : سوری جیوتی۔ ۔ ۔ سالا ایک دم کچھ ہو گیا۔ ۔ ۔ ایک دم سوری۔ ۔ ۔ جو چاہو وہ سزا دے دو۔ ۔ ۔ اگر کسی نے چیلنج کیا تو پھر اپنا کچھ پوچھو نہیں۔ ہوش کھو بیٹھتے ہیں۔ ۔ ۔ بہت درد ہو رہا ہے کیا؟ ۔ ۔ ۔ دیکھوں۔ ۔ ۔

(باہر سے دروازہ کھول کر سیوا آتی ہے۔ دونوں کو دیکھتی ہے۔ دونوں سیوا کو دیکھتے ہیں۔ جیوتی خود کو سنبھالتی ہے)

جیوتی : ماں تم آگئیں؟ یہ ارون ہے۔ ۔ ۔ ارون‘۔ ۔ ۔ میری ماں۔

(ارون سیوا کو نمسکار کرتا ہے۔ ارون کو دیکھ کر سیوا خوش ہوئی ہو‘ ایسا نہیں لگتا۔ ارون بھی کچھ کھنچا ہوا لگتا ہے۔)

جیوتی : ماں، پرکاش ابھی ابھی آیا ہے۔ ۔ ۔ اندر ہے۔ ۔ ۔

سیوا : (آگے بڑھ کر) بیٹھو نا کھڑے کیوں ہو؟ جیوتی یہ ناتھ جی باہر کب چلے گئے؟ کہہ تو رہے تھے نہیں جائیں گے۔ ۔ ۔ کب تک لوٹیں گے؟

جیوتی : (ابھی تک پوری طرح سنبھل نہیں پائی ہے) ہمارے آنے سے پہلے ہی جا چکے تھے۔ چھٹی رکھ گئے ہیں۔ لکھا ہے کہ ساڑھے پانچ بجے تک آجاؤں گا۔ ۔ ۔ یہ ہے (چھٹی تلاش

کرتی ہے۔ وہ فوراً نہیں ملتی)

سیوا : (جیوتی کی گھبراہٹ اور حیرانی دیکھ کر) رہنے دو۔ چائے وائے بنائی کیا؟

جیوتی : نہیں۔ وقت ہی نہیں ملا (سیوا کی نظروں سے نظریں ملتی ہیں)

سیوا : ارے یہ پہلی بار آئے ہیں چائے نہیں پلاؤ گی؟ جاؤ چائے بننے کے لیے رکھ دو۔ میرے لیے بھی ایک پیالی... اور کھانے کو بھی لے آؤ۔ کل ناتھ جی بسکٹ لائے تھی، اُوپر والے مرتبان میں ہوں گے۔ اور سُنو ذرا پرکاش کو یہاں بھیج دو...

(جیوتی ہاں کہتی ہوئی اندر جاتی ہے ارون اپنی جگہ نروس، بندھا بندھا سا بیٹھا ہے)

سیوا : (ارون سے) جیوتی کہہ رہی تھی تم بی۔اے کر رہے ہو۔ (ارون خاموش ہے)

سیوا : کون سے سبجیکٹ لیے ہیں؟

(ارون کچھ جواب دیتا ہے لیکن ڈسٹرب ہے)

سیوا : آگے کیا کرنے کا ارادہ ہے؟

ارون : کاہے کے آگے؟

سیوا : بی۔اے کر لینے کے بعد کیا کرو گے؟

ارون : (سوچ کر جواب دیتا ہے) کچھ طے نہیں کیا۔ دیکھیں گے...

سیوا : طے تو کرنا ہی پڑے گا۔ صرف بی۔اے پاس کر کے کیا ہوتا ہے؟

ارون : ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔

سیوا : آج کل بی۔اے کو کوئی پوچھتا نہیں۔

(ارون خاموش اور کچھ بے چین نظر آتا ہے)

سیوا : سچ تو یہ ہے کہ کامرس یا سائنس کی لائن میں تو تھوڑا اسکوپ ہوتا ہے۔ ایسے تو آج کل وہ بھی کچھ خاص نہیں رہ گیا ہے۔ کتنا کمپیٹیشن ہے...

(ارون بور ہونے لگتا ہے)

سیوا : مہنگائی بڑھتی ہی جارہی ہے۔ پونا میں اونرشپ والا مکان لینا چاہیں تو پچاس ساٹھ ہزار میں ملتا ہے۔ ۔ ۔ رہتے کہاں ہو؟ تمھارا اپنا مکان تو ہوگا ہی؟

(ارون نفی میں سر ہلا دیتا ہے۔ وہ اب پریشان نظر آتا ہے)

سیوا : گرہستی کی گاڑی چلانا آجکل آسان نہیں رہ گیا ہے۔ بچوں کی بات، جانے دیں تھوڑی دیر کے لیے تو بھی ایک آدھ کمرہ اپنے نام کا ہونا ہی چاہیے ۔ ۔ ۔ دُکھ بیماری ہے۔ دوسرے مسئلے ہیں۔ ۔ ۔ اور شادی بیاہ کا فیصلہ کریں تو آج کے زمانے میں بہت نہیں پھر بھی کچھ روپیہ پیسہ تو اپنے پاس ہونا ہی چاہیے ۔ ۔ ۔ مان لو اگر نہیں ہے روپیہ پیسہ، تو کم از کم اچھا کیریئر تو ہو، نہیں تو اپنے ساتھ بیوی کی بھی حالت خستہ ۔ ۔ ۔

ارون : (اب خود پر قابو نہیں رکھ پاتا) اپنا تو یہ سوال ہی نئیں۔

سیوا : نہیں کیسے؟ ہر ایک کو کرنا تو پڑتا ہے؟ ۔ ۔ ۔

ارون : لیکن اپنا کچھ نئیں کیوں کہ اپن تو دیسی داروکی بھٹی چلائیں گے۔

سیوا : (دھچکا سا محسوس کرتی ہے) کیا؟

ارون : ہاں، شراب بنانے کے کام میں اچھی کمائی ہوتی ہے بس اس کی ٹیکنک مالوم ہونا چاہیے۔

(سیوا دَم بخود رہ جاتی ہے)

ارون : دو جنوں کے لیے فرسٹ کلاس دھندہ ہے ایک جنا باہر کا ہفتہ وفتہ دینے کا کام سنبھالے اور دوسرا گاہکوں کو سَرو کرے۔ یہ دوسرا کام عورت کا، سب اُس کو آنٹی بولتے ہیں۔ آنٹی جتنی اچھی دکھائی دے دھندہ اتنا ہی تیز ۔ ۔ ۔

(بے پرکاش چائے کی ٹرے لے کر آتا ہے)

سیوا : (شاک نظر انداز کر کے موضوع بدلتی ہے) پرکاش یہ ارون آ گئے ہیں۔

جے پرکاش: (سرد لہجے میں) ہاں ہمارا تعارف ہو چکا ہے۔

ارون : (جے پرکاش سے) دیسی دارو کی بھٹی چلانے کے بارے میں بتا رہا تھا اِن کو (جیسے ضد پر اُتر آیا ہے) ایک تو یہ دھندہ آج کل بڑا فائدے والا ہے۔ دوسرے میاں بیوی کے لیے مزے کا۔ آرام سے کرو۔ بچّے ہو جائیں تو اُن کے لیے بھی گلاس پلیٹیں دھونے کا، پان سگریٹ لا دینے کا کام موجود، ٹِپ میں بھی بھرپور کمائی۔ جتنے ہاتھ اُتنا ئی روپیہ بھی۔

(سیوا کی حالت غیر ہوتی دیکھ کر کچھ سکون محسوس کرتا ہے)

جے پرکاش حیران و پریشان ہے۔

جیوتی آتی ہے اُسے صورتِ حال کا اندازہ کرتے دیر نہیں لگتی)

جیوتی : (جھوٹ موٹ ہنس کر) ماں یہ ارون بھی کبھی کبھی کچھ عجیب قسم کا مذاق کرتا ہے۔

ارون : (سیوا اور جے پرکاش سے) اس کی باتوں میں نہ آنا۔ اس کی میری پہچان کل پرسوں سے زیادہ نہیں ...

جیوتی : (حالات کو سنبھالنے کی کوشش میں) تو کیا ہوا مجھے سب معلوم ہے ...

ارون : (سادگی سے) تجھے جھانٹ تک نئیں معلوم! تو چپ رہ۔

(سب کو زبردست دھچکا پہنچتا ہے۔

جیوتی بے حد نروس۔

دروازے پر کال بیل زوروں سے بج اُٹھتی ہے)

جیوتی : (دروازے کی طرف جاتے ہوئے) ضرور بھائی جی ہوں گے۔

(جیوتی دروازہ کھولتی ہے)

جیوتی : (خوش ہو کر) دیکھیے، بھائی جی ہی ہیں۔

ناتھ (اندر آتے ہوئے) سوری، ہمیں دیر ہو گئی۔ پارٹی آفس سے نکلتے نکلتے ایک صاحب نے آگھیرا۔ کام بھی اُن کا جینوئن، اس لیے بھی ٹالا نہیں جا سکتا تھا۔ پھر بھی میں کافی جلدی ہی پہنچا ہوں۔

(اس کے باوجود سب سنجیدہ)

جیوتی : بھائی جی، یہ ارون ہیں۔ (ارون سے) ارون یہ میرے پتا جی۔

(ارون کھڑا ہوتا ہے لیکن نمسکار نہیں کرتا)

ناتھ : (آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر) ویری گلیڈ ٹو میٹ یو، ینگ مین تمھارے بارے میں سُنا تھا۔ (جیوتی کو آنکھ مار کر) کیا سُنا تھا وہ تو کسی بھی قیمت پر نہیں بتائیں گے۔ کیا سمجھے؟ (ارون کو سر سے پاؤں تک دیکھ کر) واہ آدمی ہو تو ایسا . . . مضبوط . . . چاہے ٹوٹ جائے مگر سر جھکانے والا نہیں۔ بہت خوب (جے پرکاش سے) جے بابو سیکھیے۔ ان سے کچھ سیکھیے . . . ہمارا جے پرکاش کام کا پکا ہے باقی باتوں میں ایک دم اہنسا وادی ہے۔ شہد سمجھو۔ ارے بھائی آدمی میں ضد ہونی چاہیے۔ (جیوتی سے) ارے تو نے انھیں کچھ کھلایا پلایا ہے کہ نہیں؟ (سیوا سے) دیکھ لیجیے۔ جیوتی آپ سے زیادہ قسمت والی نکلی کیسا "ہین لی" لڑکا گانٹھا ہے۔ کریئیٹو ہے، کویتائیں لکھتا ہے۔

(ارون پریشان کھڑا ہے باقی لوگ سنجیدہ)

جیوتی : (جیسے تیسے) بھائی جی آپ کے لیے چائے؟

ناتھ : یہ بھی کوئی سوال ہے؟ چائے کے بغیر جینے کا کیا مطلب؟ ان کو بھی پلاؤ ہمارے ساتھ دوبارہ۔

(جیوتی اندر جاتی ہے۔ ناتھ ارون کو بٹھا کر اس کے قریب بیٹھ جاتے ہیں۔ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بات کرتے ہیں)

ناتھ : آئی ایم ریئلی ہیپی۔ ارون بھی آئیے ہم چائے پی کر سیلیبریٹ کریں۔ ایسے تو (اشارے سے دکھا کر کے شراب) وہ بھی ہم سماج وادیوں میں آج کل چلتی ہے مگر ہم اس معاملے میں ذرا پُرانے قسم کے ہیں۔ گاندھی واد کا کیڑا ہمارے دماغ میں عین جوانی میں گھُسا تھا۔ تو کچھ چیزیں ہمیشہ کے لیے ہاتھ سے نکل گئیں۔ شراب گئی۔ شان و شوکت گئی اور آیا کیا۔ (نقلی ہلکی آواز میں) کہیں برہمچریہ ہی جیون بن جاتا اپنا تو مگر ایک حادثہ ہو گیا جسے (آنکھ مار کر) خوبصورت حادثہ کہتے ہیں نا۔ وہی... تمھارے ساتھ ہوا، اُسی قسم کا...

سیوا : (سنجیدگی سے) ناتھ جی آپ کپڑے نہیں بدلیں گے؟

ناتھ : بعد میں سیوا جی آج تک ہم لوگوں نے "جات پات توڑو" کا صرف اعلان ہی کیا ہے۔ کئی انٹر کاسٹ شادیوں میں موجود رہے، تقریریں بھی کیں مگر صحیح معنوں ہم لوگوں نے آج جات پات توڑ دی ہے۔ میرا گھر ان دی ریئل سینس آف دی ٹرم "بھارتیہ" ہو گیا ہے۔ میں آج خوش ہوں۔ بہت خوش ہوں آج کپڑے بدلنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آج میں ہی نیا ہو گیا ہوں... (ارون سے) مائی فرینڈ ڈو یو اسموک؟ میں خود سگریٹ پینا پسند نہیں کرتا مگر کہو تو ہے اپنے یہاں۔ بدیش سے وہ اُنو بروا جی لوٹے... پتہ نہیں کس انٹرنیشنل کانگریس میں شریک ہونے گئے تھے... انھوں نے مجھے سگریٹ کے پیکٹس دیے۔ وہ جو مثال ہے نا کسی سے لیجئے اور کسی شوقین کو دیجئے۔ (سیوا سے) کہاں رکھے ہیں وہ۔ ذرا لاؤ تو۔

(سیوا بے دلی سے اندر چلی جاتی ہے)

ناتھ : (بے پرکاش سے) تم کھڑے کیوں ہو؟... ارے بیٹھو بھی۔ ویسے تم دونوں کو گیتیں لڑانی چاہیے تھیں ایک ہی پیڑھی کے جو ہو۔ میں تو یوں ہی ینگ کٹا کے بچھڑوں میں شامل ہو گیا ہوں۔

(سیوا سگریٹ کا پیکٹ لے کر آتی ہے، سامنے رکھ دیتی ہے)

ناتھ : ایک ہی پیکٹ لائی ہو؟ باقی کا کیا کریں گے؟ یا کسی نے صفایا کر دیا؟ (جے پرکاش کی طرف شرارت آمیز انداز میں دیکھتے ہیں)

جے پرکاش : (سنجیدہ لہجے میں) مجھے پتہ نہیں۔۔۔

ناتھ : مجھے بھی پتہ نہیں۔۔۔ اس کا مطلب ہے کہ سیوا جی نے، نہیں تو جیوتی نے صاف کر دی ہوں گی۔

سیوا : چھی!

ناتھ : ارے اس میں بُرا کیا ہے؟ پرسوں کہیں پڑھا کہ وہ مشہور رقاصہ ہے نا سونل مان سنگھ۔ وہ سگار پیتی ہے۔ تصور کرو ارون کہ ایک ناچنے والی نازک، پتلی کٹیلی، خوبصورت بھارتیہ ناری چرچل کی طرح منہ میں، دانتوں کے بیچ چروٹ دبائے ہوئے کہہ رہی ہے۔ "آئی لائک سگار"۔ ہوں۔۔۔؟ سو واٹ؟ ارے ہمارے زمانے میں، ہم خواب میں بھی سگار نہیں پی سکتے تھے سمجھے؟ اگر میرے باپ نے میرے منہ میں سگار دیکھ لیا ہوتا تو پہلے تو گال پر طمانچہ رسید کیا ہوتا اور بعد میں پوچھتا۔ یو لائک سگار، کیوں؟ گیٹ آؤٹ! دفع ہو جا میرے گھر سے۔ اور آج سونل مان سنگھ اعلانیہ کہہ دیتی ہے۔ آئی لائک سگار۔۔۔ (رازدارانہ انداز میں) اتنا ہی نہیں کہتی ہے اینڈ اسے گڈ۔۔۔ یو نو وہاٹ (آنکھ مارتے ہیں۔ پھر دل کھول کر ہنستے ہیں) مگر صاحب، زمانہ بہت بدل گیا ہے۔ (ارون سے) تمھیں بتاؤں کبھی کبھی جب اکیلا بیٹھا سوچ رہا ہوتا ہوں نا! تو لگتا ہے سب ایک خواب ہے۔۔۔ سب اُلٹا پلٹا دکھائی دیتا ہے۔۔۔ سوچو کسی کے ذہن میں کبھی آیا تھا کہ تم دلت لوگ خم ٹھونک کر میدان میں اُتر آؤ گے؟ (جیوتی کو پکار کر) جیو! ارے بھئی کھانے کو کچھ لاؤ گی یا نہیں؟ یہاں بھوکے مرے جا رہے ہیں۔ (ارون سے) ہمارے کانگریسی دوستوں کی طرح ہماری بھوک بھی

تگڑی ہے۔۔۔ اتنا ہی ہے کہ ہم صرف اناج کھاتے ہیں۔ (دادا پانے کو ہاتھ بڑھاتے ہیں ارون اپنے میں اُلجھا ہوا اُن کے ہاتھ پر تالی دیتا ہے)

(جیوتی ٹرے میں چائے اور کھانے کی چیزیں لے کر آتی ہے اور رکھ دیتی ہے)

ناتھ : (انھیں دیکھ کر) گڈ گڈ۔ دیٹس لائک اے گڈ گرل۔ (ارون سے) لو بھئی چائے۔ یہ سب دیکھنے کے لیے نہیں رکھے ہیں۔۔۔ لو تکلف مت کرو۔۔

(اپنے ہاتھ میں لے کر اسے دیتے ہیں، خود بھی لیتے ہیں)

ناتھ : (دوسروں سے) جلدی کیجئے نہیں تو سب ختم ہو جائے گا۔ (کھاتے کھاتے) ہم آج بہت خوش ہیں۔ (ارون کا زانو تھپتھپا کر) تھینک یو ارون، تھینکس فار گوِنگ اَس دا پلیجر (جیوتی سے) دراصل تمہارا احسان بھی ماننا چاہیے جیو مگر۔۔۔ (سب سنجیدہ ہیں) تم تو گھر کی ہی ہو۔۔۔ (سب کی گہری سنجیدگی محسوس کر کے) میں ہی زیادہ بول رہا ہوں ۔۔۔ آل رائٹ میں ذرا اپنی زبان کو آرام دیتا ہوں۔ (خاموش ہو جاتے ہیں)

(ناتھ کے چپ ہو جانے پر بھی کوئی کچھ نہیں بولتا۔ ماحول میں تناؤ ہے)

ارون : (اٹھتے ہوئے) اب میں چلا۔

ناتھ : حیرت سے) چل دیے؟ ابھی سے؟

ارون : ذرا کام ہے (جیوتی سے) میں جاتا ہوں جیوتی۔ (فیصلہ کُن انداز سے دروازے تک جاتا ہے)

(جیوتی اس کے پیچھے جاتی ہے)

ارون : (دروازہ کھول کر) اچھا۔۔۔ (باہر چلا جاتا ہے اور دروازہ کھینچ کر بند کر دیتا ہے)

(چند لمحوں کے لیے گہرا سکوت چھا جاتا ہے)

ناتھ : (ناپسندیدگی سے) سمجھ میں نہیں آتا سب اتنے سنجیدہ کیوں ہو گئے تھے۔ اُسے کیسا لگا ہو گا؟

سیوا : کچھ بھی نہیں لگا ہوگا۔

ناتھ : دِس اِز ناٹ کرکیٹ۔ وہ لڑکا پہلی بار ہمارے یہاں آیا تھا جیوتی اُسے لے کر آئی تھی...

جے پرکاش: (اسی لیے ہم نے اُسے برداشت کر لیا۔

ناتھ : (غصّہ سے) کیوں؟ برداشت کرنے کا سوال کہاں سے آیا؟

سیوا : آپ کو کچھ معلوم نہیں۔

ناتھ : کیا تمھیں معلوم ہے؟ ... اچھا بھلا تیز طرّار لڑکا ہے وہ...

جے پرکاش: آپ کو کچھ اندازہ ہے؟

ناتھ : (جھنجھلا کر) معلوم نہیں... پتہ نہیں... اندازہ نہیں... آخر ایسا کیا تمھارا اندازہ ہے؟ ذرا پتہ تو چلے۔

سیوا : وہ ہم جیسے لوگوں کے درمیان بیٹھنے کے لائق نہیں ہے۔

ناتھ : (سخت لہجے میں) کیوں؟ دِلت ہے اس لیے؟

سیوا : (تیز لہجے میں) ایسا مت سمجھو کہ صرف تم ہی ایک براڈ مائنڈ انسان ہو اس گھر میں۔ ہم بھی جات پات سے پرے دیکھنا جانتے ہیں۔

ناتھ : مگر ایسا کیا ہے جو وہ ہمارے گھر میں نہیں بیٹھ سکتا؟

سیوا : اس میں ادب تہذیب نہیں۔

ناتھ : (جوش میں آکر) وہاٹ ڈو یو مین بائی دیٹ؟... تہذیب کیا تمھیں لوگوں کی وراثت ہے... وہ اچھا لڑکا ہے... ویل بی ہیوڈ ہے... تہذیب کے بغیر کیا کوئی ایسا بن سکتا ہے؟

جے پرکاش: بھائی جی آپ کو ساری باتیں معلوم نہیں ہیں۔

ناتھ : پھر وہی۔ کیا معلوم نہیں مجھے؟

سیوا : دیکھو۔ تمھارے سامنے وہ ٹھیک تھا پر تمھارے آنے سے پہلے میں نے اُسے

جو کچھ کرتے ہوئے دیکھا تھا وہ بنیادی طور پر ذرا بھی ٹھیک نہیں تھا۔

ناتھ : کیا دیکھا تم نے؟ ضرور تمھاری نظروں میں پہلے سے کوئی اور خیال ہوگا۔

جے پرکاش: بھائی جی، ماں پر بے کار الزام مت لگائیے۔ میں نے بھی دیکھا ہے، سُنا ہے۔۔۔ میں اتنا کہتا ہوں کہ وہ صحیح نہیں تھا۔ اب آپ کہیں گے کہ میری بھی نظر خراب ہے۔ کہنے کو کہہ سکتے ہیں مگر مجھے وہ آدمی بالکل اچھا نہیں لگا۔ آئی کانٹ ٹالریٹ ہِم۔ (جیوتی سے) سوری جیتو۔ (ناتھ سے) آپ لوگ اگر یہاں نہ ہوتے تو یا تو وہ باہر دکھائی دیتا یا پھر میں چلا گیا ہوتا۔

ناتھ : (فیصلہ کُن انداز میں) یوں ہی مُبہم باتیں نہ کرو مجھے پوری تفصیل بتاؤ۔

جے پرکاش: وہ ماں کو شراب کی بھٹّی کے بارے میں سُنا رہا تھا۔

ناتھ : تو کیا ہوا؟ تمھاری ماں کیا مُرار جی بھائی ہے جو شراب کی بھٹّی کا ذکر نہ کیا جائے۔

سیوا : آپ سننا چاہتے ہیں۔ وہ مجھ سے کیا کہہ رہا تھا۔۔۔؟ بیوی کے ساتھ شراب کا اڈّہ چلانے کی بات کر رہا تھا۔۔۔ بچّے ہوں گے تو وہ بھی گلاس پلیٹیں دھوئیں گے۔ پان لاکر دیں گے۔۔۔

ناتھ : (پہلے سپٹپاتے ہیں لیکن پھر خود کو سنبھال کر) لگتا ہے وہ مذاق کر رہا تھا۔

جے پرکاش: آپ یہاں ہوتے اور سُنتے تو جانتے۔ اکھڑپن۔۔۔

ناتھ : تم لوگوں کا وہم ہے دراصل ہمیں نرم مزاجی ظاہر کرنے کی عادت پڑ گئی ہے نا۔۔۔ سیدھی سادی بات نہیں سہہ سکتے۔۔۔

جے پرکاش: میری اور ماں کی بات جانے دیجئے جیوتی سے کیا کہا اس نے سُنیں گے؟ یہ اُس کی طرفداری کرنے لگی تو بولا تجھے۔۔۔ (ذرا اٹک کر) جھانٹ برابر نہیں معلوم تو چُپ رہ۔۔ اس گھر میں، اس گھر کی بیٹی کے لیے ایسی زبان۔۔۔؟ ماں کے سامنے؟

ناتھ : (ذرا اٹک کر) ارے اُس کی زبان پر مت جاؤ۔

سیوا : جیوتی جب میں آئی تب تم لوگ کیا کر رہے تھے ؟

جیوتی : (گھبرا کر) کیا . . . ؟

جے پرکاش : جب میں آیا تھا اس کی آنکھوں میں آنسو تھے . . . اور وہ تالی پیٹ کر گا رہا تھا "بامن کی بیٹی پھنسی" یہ ضرور روئی ہوگی ۔ کیوں جیوتی ؟

(جیوتی سر کے اشارے سے اقرار کرتی ہے)

جیوتی : پر وہ بات نہیں تھی جو آپ لوگ سمجھ رہے ہیں . . .

سیوا : میں آئی تھی تب تو داہنی کہنی پر پھونک مار رہی تھی جیوتی کیا وجہ تھی ؟

جیوتی : (قدرے توقف سے) اُس نے میرا ہاتھ مروڑا تھا ۔

(سیوا فاتحانہ انداز سے ناتھ کی طرف دیکھتی ہے)

جیوتی : یہ بھی وہ نہیں ہے جو آپ سمجھ رہے ہیں ۔

سیوا : پھر کیا . . . ؟ مزے سے تیرا ہاتھ مروڑا اُس نے ؟

جیوتی : نہیں ! جو کیا اُس کا خود اسے بھی بُرا لگا تھا ، سوری کہا تھا اُس نے دِل سے ۔

جے پرکاش : (تمسخرانہ انداز میں) سوری کہا ۔ کون کہہ سکتا ہے کہ اسے تہذیب نہیں آتی ؟ جب ضرورت ہوتی ہے تب مہذب بن جاتے ہیں ۔

ناتھ : (سنجیدگی سے) دیکھو وہ ہمارے جانے پہچانے درمیانی طبقے کا آدمی نہیں ہے جو ایک دَم سمجھ میں آجائے . . .

سیوا : ہاں جیسے ہم تو اس طبقے کے لوگوں سے واقف ہی نہیں ہیں ۔

ناتھ : وہ درمیانی طبقے کا نہیں ، یہ بات تو ہے ہی مگر یہ مت بھولو کہ وہ دَلت بھی ہے ۔ وہ مفلسی اور حقارت کے بیچ پلا ہے ان لوگوں کی نفسیات الگ قسم کی ہوتی ہے . . . ہمیں انھیں اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے اور وہی مشکل ہے . . .

سیوا : کہو تو اس ٹاپک پر میں تمھارا اسٹڈی سرکل اٹینڈ کرنے کو تیار ہوں ۔ لیکن کیسے

دیتی ہوں کہ اپنی جیوتی کے شوہر کے روپ میں اُسے ہرگز قبول نہیں کر سکتی۔

ناتھ : دیکھو سیوا، صرف کہنے سے ہی سماج میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ تبدیلی لانے کے لیے پہل کرنی پڑتی ہے ہمارے پُرانے سماج سُدھارکوں نے بیوہ کی دوسری شادی کی تحریک محض تقریریں کرکے اور مضامین لکھ لکھ کر نہیں چلائی تھی بلکہ ان میں سے کچھ نے خود بیواؤں سے شادیاں بھی کی تھیں۔ کیوں کیں ؟ وہ بھی ایک تجربہ تھا۔ تجربہ مشکل ضرور تھا مگر یہ تجربہ انھوں نے کیا۔

سیوا : مطلب یہ کہ میری بچّی کی زندگی تجربے کے لیے ہے۔ یہی نا ؟ اپنی بات تم جانو۔ میں اسے قبول نہیں کر سکتی۔ میں اُس کی ماں ہوں۔ اگر مجھ سے پوچھو تو صاف صاف کہے دیتی ہوں کہ اُس لڑکے کے ساتھ جیوتی کبھی سُکھ چین سے نہیں رہ سکتی۔۔۔ چاہو تو لکھوا لو مجھ سے۔

ناتھ : وہ یہاں تھا ہی کتنی دیر ؟ اتنے کم وقت میں جو پہچانا۔ اسی کی بنیاد پر آخری فیصلہ کرکے تم ذمے داری سے بَری ہو گئیں ؟ یہ بے انصافی ہے سیوا۔۔۔

سیوا : رہنے دیجئے اُس کے ساتھ جیوتی کی شادی ہو یہ مجھے منظور نہیں ہے۔

(سکوت گہرا ہوتا جاتا ہے)

ناتھ : (جے پرکاش سے) اور تم ؛ تمھارا بھی یہی خیال ہے پرکاش ؟

(جے پرکاش اثبات میں سر ہلاتا ہے)

ناتھ : جیوتی میرے خیال میں تمھیں کچھ بتا سکتی ہو۔۔۔ سارے حالات کو دیکھتے ہوئے ہم کچھ بھی کہیں لیکن ہم دور کے آدمی رہیں۔ جہاں تک لڑکے کا سوال ہے مشکل سے آدھ گھنٹے کی پہچان ہے اُس سے ہماری۔۔۔ تم بتاؤ تمھارا کیا خیال ہے ؟ یہ لڑکا تمھیں کیسا معلوم ہوتا ہے ؟ تھوڑی دیر کے لیے یہ بھول جاؤ کہ تم اس کے ساتھ شادی کرنے کا سوچ رہی ہو اور پھر بتا سکو تو بتاؤ تاکہ ہم اس کے بارے میں کچھ سوچ سکیں۔

جیوتی : (اُلجھنوں اور خیالوں میں ڈوبی نظر آتی ہے پھر) جب میں نے آپ کو پہلی بار بتایا تھا تبھی کہہ دیا تھا ۔۔۔ میں اس کے بارے میں زیادہ کچھ نہیں جانتی اگر تھوڑا بہت جانتی ہوں تو اُس کی کویتاؤں کے ذریعے جانتی ہوں ۔۔۔ اُس نے مجھ سے پوچھا۔ میں نے یوں ہی ہاں کر دی۔ اصل میں اس کے بعد ہی سے میں اسے کچھ کچھ سمجھ رہی ہوں۔ اُسے تو کیا اُس کے بارے میں جان رہی ہوں پھر بھی کبھی کبھی وہ اس طرح پیش آتا ہے کہ مجھے لگتا ہے میں اسے نہیں سمجھ پائی ہوں۔ کبھی کبھی میں اُس پر پُورا بھروسہ کر لیتی ہوں اور دوسرے ہی لمحے میں اُس سے کوسوں دُور رہ جاتی ہوں۔ دل پوچھتا ہے کہ میں جو کرنا چاہتی ہوں کیا وہ صحیح ہے؟ ۔۔۔ ڈر لگتا ہے۔ تب میرا ہی دل کہتا ہے کہ وہ دل کا بُرا نہیں ہے۔ بیج عادت کا نہیں، البتہ پیچیدہ ضرور ہے۔ ہو سکتا ہے یہ پیچیدگی اس کے ماحول اور حالات نے پیدا کی ہو۔ مجھے وہ پیچیدگی سمجھ لینی ہوگی۔ اسے چھوڑ کر بھاگ جانے سے کچھ نہیں ہونے والا۔ ایک بار سمجھ لوں گی تو اس پیچیدگی کو سُلجھا سکتی ہوں اور اگر نہیں بھی سلجھا سکوں تو یہ تو ہے کہ وہ مجھ کو ڈرا نہیں سکتی۔

ناتھ : جیوتی، تمھیں ایسا تو نہیں لگتا کہ ہاں کہہ کر تم نے شاید غلطی کی؟

جیوتی : (ذرا رُک کر) ایسا سوچنا بھی اب بے ایمانی ہے ۔۔۔ میں نے حامی بھر دی ہے اور اب میں اس سے بھاگ نہیں سکتی۔

سیوا : نہیں کیوں؟ ۔۔۔ کسی کمزور لمحے میں دیے گئے لفظوں پر دوبارہ غور کیا جا سکتا ہے ۔۔۔ تم نہیں کہہ سکتیں، تو تمھاری طرف سے ہم اسے بتا سکتے ہیں کہ ۔۔۔

جیوتی : نہیں، اب ایسا کچھ کرنا مجھے پسند نہیں۔ میں اسی کے ساتھ شادی کروں گی۔

جے پرکاش : ماں کو پسند نہ ہو پھر بھی؟

ناتھ : ٹھہرو پرکاش! اس پر دباؤ مت ڈالو۔ اسے اپنا فیصلہ اپنے خیالات کی بنیاد پر کرنے دو۔

جے پرکاش : فیصلہ بنا سوچے سمجھے کیا گیا ہے یہ بھی تو اسی نے بتایا ہے . . .

ناتھ : پر اگر اسی نے بتایا ہے تو اس کا مطلب یہی ہوا کہ وہ غور کر رہی ہے اور پہلے وہ فیصلہ اپنی مرضی سے بدل سکتی ہے۔

جیوتی : بھائی جی ! مجھے اپنا فیصلہ بدلنا نہیں ہے۔

سیوا : جیوتی میں کہتی ہوں تم ایک غلط چال چل کر اپنی زندگی برباد مت کرو۔

جیوتی : میرا فیصلہ پکا ہے ماں۔

ناتھ : محض ضد میں تو ایسا نہیں کہہ رہی ہو؟

جیوتی : نہیں۔

سیوا : نتیجہ جانتی ہو ؟

جیوتی : ہاں۔

ناتھ : ٹھیک ہے۔ جیوتی نے اپنا فیصلہ خود کیا ہے اس کے بعد اِس موضوع پر بحث نہیں ہوگی۔ ہم سب کو آپسی اختلافِ رائے بھُلا کر جیوتی کے ساتھ چلنا ہوگا۔ اُسے جو بھی مدد چاہیے ہم تہہ دِل سے کریں گے، کیوں پرکاش جی ؟

جے پرکاش: (اپنی مرضی کے خلاف جتن کرتے ہوئے) ہاں جی۔ کوشش کروں گا۔

ناتھ : کوشش نہیں، مدد کرنی پڑے گی۔ ہم نے اپنے گھر میں صحیح معنوں میں لوک تنتر پر عمل کیا ہے۔ اس میں کوئی رُکاوٹ نہیں آنی چاہیے جو اختلاف ہو صاف صاف کہو، مگر فیصلہ اپنا اپنا ہوگا۔ ایک کے فیصلے کو سب لوگ اپنا سپورٹ دیں گے۔

سیوا : یہ جاننے کے باوجود کہ وہ غلط راستے پر چل رہا ہے ؟

ناتھ : ہاں، پھر بھی۔ ہمیں جو کہنا تھا نا ہے ہم بتائیں گے اور اس کے بعد یہ سمجھ کر اسے منظور کریں گے کہ وہ غور و فکر کے بعد کیا گیا فیصلہ ہے۔

سیوا ، مجھے تو یہ قطعی پسند نہیں۔ تم سنبھالو اپنا لوک تنتر۔ مجھے جیوتی کا فیصلہ ایک دَم بے وقوفی بھرا

لگتا ہے اور اس کی ماں ہونے کے ناطے سے مَیں اُسے منظور نہیں کر سکتی ۔ ۔ ۔ یہ گھر ہے تمھاری پارٹی نہیں ہے کہ ڈِسپلین کے نام پر جو چاہو ہم پر لاد دو۔

ناتھ : تو پھر کیا کرو گی تم ؟

سیوا : مخالفت کروں گی اس شادی کی۔ تمھارے الفاظ میں پارٹی کا ڈِسپلن توڑ کر بغاوت کروں گی ۔ ۔ ۔ ارے کیا تمھیں بھی جیوتی کا فیصلہ عقل مندی کا لگتا ہے ؟ باپ کی حیثیت سے تم خود سوچ سمجھ کر کہو ۔ دیکھو گول مول جواب مت دینا ہاں۔

جے پرکاش: ہاں بھائی جی، آپ کی کیا رائے ہے ؟ صاف صاف بتائیے۔

ناتھ : مَیں جیوتی کی طرف ہوں۔ وہ لڑکا جن حالات سے گذر چکا ہے ان حالات نے اس میں کچھ نفسیاتی گرہیں ڈالی ہوں گی ۔ یہ فطری بات ہے۔ وہ الجھنیں اگر نہ ہوں تو حیرانی ہو گی، لیکن صرف اس وجہ سے وہ بُرا آدمی نہیں ہو جاتا۔ ہی ِاز ناٹ بی اے جنٹلمین۔ بٹ ہی از ناٹ اے اسکاؤنڈرل۔ انسان ہونے کے ناطے اس میں پوٹینشیل ہے. عقل ہے. لگن ہے، صلاحیت ہے اپنے ان حالات کے باوجود وہ یہاں تک آ پہنچا ہے اور یہ آسان نہیں ہے ۔ یہ اس کی محنت اور ریاضت کا پھل ہے۔ تم لوگ کیا جانو کہ اس کی برادری کے لوگوں کو آگے بڑھنے کے لیے کیا کیا نہیں کرنا پڑتا۔ وہ کُندن ہے، اسے تپانے کی ضرورت ہے۔ سونے کی مورتی بنانے کی ضرورت ہے ۔ یہ وقت کی ضرورت ہے۔ یہ کام اگر جیوتی جیسی لڑکی نہیں کرتی تو اور کون کرے گا ؟ اب یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ یہ کام مشکل ہے۔ کوئی کر نہیں سکتا اور پھر اس نے وعدہ بھی کیا ہے ۔ یہ بھی دھیان میں رکھنا ہو گا کہ سماج کی اس تلچھٹ کے بھرپور ذمہ دار ہم ہی ہیں۔ ہم پہلے ہی اس سماج کے ساتھ دھوکہ کر چکے ہیں۔ اصل میں ہم ہی مجرم ہیں۔

ایسے حالات میں اگر جیوتی اپنا وعدہ توڑتی ہے، اپنی ذمّہ داری سے منہ موڑتی ہے تو یہ بھی ایک طرح کا دھوکہ ہی ہوگا۔ چیلنجوں سے گھبرا کر میدان چھوڑ کر بھاگنا ہوگا اور میری بیٹی کا یوں بھاگ جانا میرے لیے شرم کی بات ہوگی۔ (جیوتی کے پاس جاکر نرم لہجے میں) آئی ایم وِد یو جیتو، تم جو کرنے جارہی ہو وہ عقلمندی بھی ہوسکتی ہے اور بے وقوفی بھی مگر ایک بات طے ہے کہ تم جو کر رہی ہو وہ مہذّب آدمی کو زیب دیتا ہے اور اسی لیے ہم تمھارے ساتھ ہیں۔ گو اہیڈ مائی چائلڈ۔ جو ہوگا وہ ہم دیکھ لیں گے۔

(پردہ گرتا ہے)

دوسرا ایکٹ

پہلا منظر

دوسرا ایکٹ: پہلے ایکٹ والا وہی دیوان خانہ۔
پہلا منظر : (کچھ دن بیت چکے ہیں۔
کال بیل بجتی ہے۔ سیوا اندر سے آکر دروازہ کھولتی ہے۔
تھکی ہاری جیوتی اپنے دفتر سے لوٹتی ہے۔
وہ اس وقت کسی قدر دُبلی پتلی، کمزور، پہلے سے کچھ بڑی عمر کی اور تھکی تھکی دکھائی دیتی ہے۔
گلے میں معمولی قسم کا منگل سُوتر ہے۔
جیوتی آتی ہے، سیوا کو دیکھتی ہے اور اندر جانے لگتی ہے۔)

سیوا : میں پوچھ سکتی ہوں کہ کل رات تم کہاں تھیں؟
جیوتی : دینا ناتھ کے کمرے پر، وہاں ہمیں بہت دیر ہو گئی تھی اس لیے وہیں سو گئے۔
سیوا : (غصّہ پر قابو پاکر) فون نہیں کر سکتی تھیں کہ نہیں آپائیں گے؟
جیوتی : اُس کے یہاں فون کہاں؟
سیوا : آس پاس کے کسی ہوٹل میں تو ہوگا یہاں ہم لوگ رات بھر جاگتے رہے۔

جیوتی : (تھکی تھکی آواز میں) میں آپ کو پہلے ہی بتا چکی ہوں کہ میرا انتظار نہ کیا جائے۔ اگر مجھے آنا ہوا تو آؤں گی۔ نہیں تو نہیں آؤں گی۔

سیوا : (ضبط ٹوٹتا ہے) جیوتی یہ گھر ہے۔ کوئی ہوٹل نہیں ہے۔ (جیوتی کچھ کہے بغیر اندر جانے لگتی ہے) یہ نہیں چل سکتا۔ تم اسی گھر کی ہو اس ناطے اپنی ذمہ داری نہیں سمجھتیں ؟ میں شادی کے بعد سے تمھارے عجیب رنگ ڈھنگ دیکھ رہی ہوں۔ رات میں ایک بار فون نہیں ملا نہ سہی پر دن میں تو فون کر سکتی تھیں۔

جیوتی : دن بھر آفس کے کام میں پھنسی رہی۔ سچ کہتی ہوں وقت ہی نہیں ملا۔

سیوا : دیکھو گھر میں گھر کا آدمی بن کر رہنا مشکل ہو تو اپنا راستہ ناپنے میں ہی بھلائی ہے، سمجھ لو۔

(جیوتی یہ جتانے کے لیے سیوا کی طرف دیکھتی ہے کہ سمجھ گئی ہے۔ پھر وہ اندر جانا چاہتی ہے)

سیوا : تم مجھے ستا سکتی ہو پر جانتی ہو تم نہیں لوٹتیں تو ناتھ جی کی نیند اُڑ جاتی ہے . . . دو دو بجے رات تک تمھاری فکر میں کروٹیں بدلتے ہیں ذرا اُنھیں کا خیال کرو۔ وہ تو تمھاری شادی کے خلاف نہیں تھے ایسے ناچ رہے تھے جیسے اپنے بیاہ میں بھی نہیں ناچے ہوں گے۔

جیوتی : آئندہ ایسا نہیں کروں گی۔ (جانے کے لیے مڑتی ہے)

سیوا : ان باتوں میں کوئی دَم نہیں ہے . . . نہیں کروں گی کہتی جاؤگی، لیکن پھر کروگی۔

جیوتی : ماں اگر میرے ہاتھ میں ہوتا تو ایسا نہیں ہوتا . . .

سیوا : اب ایسا کہہ کے تم چھٹی نہیں پا سکتی ہو۔ تم نے اپنی مرضی سے شادی طے کی اور پھر کر کے دکھا بھی دی۔

جیوتی : رہنے بھی دو ماں اس ٹاپک پر پلیز . . .

سیوا : تمھاری شادی کے بعد سے اس گھر کا رنگ ہی بدل گیا ہے تم بھی پہلے والی جیوتی کہاں رہ گئی ہو ؟ یہاں ہو تو ایسے جیسے کوئی پرائی ہو اور صرف ضرورت سمجھ کر اس گھر کے سہارے ٹکی ہو۔ نہ کسی کام میں مدد کرتی ہو، نہ ہم لوگ تم سے کسی کام کی امید کر سکتے ہیں۔ تم اپنے ہی میں کھوئی رہتی ہو۔ باہر چلی جاتی ہو تو لوٹنے کا ٹھکانا نہیں۔ لوٹتی ہو تو ایسے، جیسے مہمان آیا ہو۔

جیوتی : میں نے کہا نا، سوری !

سیوا : مجھے یہ سب بالکل پسند نہیں۔ کہے دیتی ہوں ۔

جیوتی : تو کیا کروں میں ؟ آپ بتا دیجئے . . . کیا گھر چھوڑ کر چلی جاؤں ؟

سیوا : واہ رے ہٹ دھرمی ؛ یہ تیری نہیں ہے۔ کس کی ہے ؟ میں اچھی طرح سمجھتی ہوں۔

جیوتی : یہ ہٹ دھرمی نہیں ہے . . . اور اگر ہو بھی تو وہ میری اپنی ہی ہے۔

سیوا : (اچانک آواز بھرا جاتی ہے) کیسی تھی جیوتی تو . . . کیسی ہو گئی ہے ؟ مجھے اپنے بارے میں کچھ نہیں کہنا ہے لیکن جو تکلیف انھیں ہوتی ہے . . .

(بہت کوشش کرنے کے بعد ہی ضبط کر پاتی ہے۔
جیوتی سمجھ نہیں پاتی کہ کیا کرے۔
خاموش کھڑی رہتی ہے۔
اندر سے جے پرکاش باہر آتا ہے۔)

سیوا : کسی کام میں دل نہیں لگتا اُن کا۔ بس ہر وقت سوچتے ہی رہتے ہیں۔

جیوتی : (نرم لہجے میں) اچھا ؟ میں اندر جاؤں ؟

سیوا : جہاں جی چاہے جاؤ تمھیں کون روک سکتا ہے ؟

(جیوتی اندر چلی جاتی ہے۔
سیوا پریشانی کے عالم میں تھوڑی دیر کھڑی رہتی ہے)

جے پرکاش: ماں تم اور بھائی جی کتنے دن اس طرح اپنی جان جلاتے رہو گے؟

سیوا : کون جلاتا ہے، وہ دن گئے۔

جے پرکاش: یہ طے ہے کہ ایسا ہی ہوتا رہے گا، تو پھر ہوتا رہے اپنی بلا سے۔

سیوا : کہنا آسان ہے۔

جے پرکاش: بھائی جی اب کیوں اتنے پریشان رہتے ہیں؟ سمجھ میں نہیں آتا۔ انھوں نے تو شادی کے معاملے میں جیوتی کی تائید کی تھی ... اتنا ہی نہیں بلکہ پہل بھی کی تھی۔

سیوا : جب تمھارے یہاں لڑکی ہوگی اور وہ جوان ہوگی تبھی سمجھ سکوگے۔

جے پرکاش: اگر جیوتی کو کوئی شکایت نہیں ہے تو تم کیوں جی کا جنجال پالتی ہو؟

سیوا : کہہ دیا نا، تم نہیں کچھ پاؤگے۔ (پھر وہی موڈ) کیا گھر تھا یہ؟ کیسا ماحول تھا یہاں کا؟ اور ...

جے پرکاش: وہی ماحول کیسے بنا رہتا؟ ہر چیز بدل جاتی ہے۔ بدلتے ہوئے حالات سے سمجھوتہ کرنے والا ہی زندہ رہ پاتا ہے۔ بائیولوجی کا یہی اصول ہے۔

سیوا : ہمارے گروجی نے ہمیں یہ نہیں سکھایا کہ حالات کے ساتھ ساتھ خود کو بدل دو۔ وہ کہا کرتے تھے کہ تم حالات کو بدل سکتے ہو، لہٰذا اسی زعم میں جیتے رہے کہ ہم حالات کو بدل دینے والوں میں سے ہیں۔

جے پرکاش: تمھاری ساری پریشانیوں کی یہی وجہ ہے۔ حالات کے بدلنے کا اپنا ایک قاعدہ ہے۔ وہ کسی کے لیے رُکتے ٹھہرتے نہیں ہیں۔

سیوا : سچ کہتے ہو۔ اب کچھ میں آتا ہے۔ مگر اب اس پر عمل کیسے ہو؟

جے پرکاش: جیوتی نے اپنی خوشی اور رضامندی سے ایک فیصلہ لیا تھا۔ اب اس کا جو بھی نتیجہ ہوگا اُسے وہ خود بھگتے گی۔ اگر میں کل کوئی فیصلہ کروں گا تو اس کا نتیجہ بھی مجھ ہی کو بھگتنا چاہیے نا؟ آپ لوگوں کا اس سے کیا تعلق؟ اور آپ کیوں اپنا دل دُکھائیں؟ میں تو کہتا ہوں آپ لوگوں نے ہمیں کھلا پلا کر بڑا کیا وہی کافی ہے۔ اب آپ ہمیں اپنے آپ پر چھوڑ دیجیے۔

سیوا : پھر بھی دل دُکھتا ہے۔

(گھنٹی بجتی ہے۔ جے پرکاش جاکر دروازہ کھولتا ہے۔ ناتھ آتے ہیں۔ تھکے ہوئے لگتے ہیں۔ جے پرکاش اُن کے ہاتھ سے چھوٹا " اوورنائٹ سوٹ کیس" لیتا ہے۔)

ناتھ : (فائلیں میز پر رکھ کر) ویل ... ویل ... ویل ... کیا چل رہا ہے؟ ہاؤ اِز ایوری بڈی؟

جے پرکاش: فائن!

ناتھ : آج کا دن بڑی بھاگ دوڑ میں گزرا۔ ویری ہیکٹک ڈے، ہاؤس میں آبجیکشن پر آبجیکشن اٹھائے جاتے رہے ... ایک واک آؤٹ بھی ہوگیا ... بیچ میں کوئی آدھا گھنٹہ شور شرابے اور تھمپنگ کا پروگرام بھی جاری رہا ... اسی بیچ اپنے اپنے نہ جانے کس کس طرح کے کاموں کا جھنجھٹ لے کر آنے والے ملاقاتیوں کا تانتا لگا رہا جیسے تیسے چار بجے ٹیکسی پکڑ کر نکلا۔

سیوا : کل رات سو بھی نہیں پائے تھے۔ تم صبح اُٹھ کے "دکن کوئین" پکڑی۔ اصل میں آج آپ کو بمبئی میں ہی رُک جانا چاہیے تھا۔ آرام تو مل جاتا۔

ناتھ : ڈیٹس آل رائٹ - کل چھٹّی ہی تو ہے - ویسے بھی سیشن میں کسی کی لمبی بورنگ تقریر کے بیچ ایک شاندار جھپکی لے سکتے ہیں. لیکن آج ایسا نہیں ہوا- پرکاش بابو - ایک پیالہ گرما گرم چائے پلائیے ؟

(یاد آتے ہی نرمی کے ساتھ سیوا سے)

جیوتی آگئی ؟

سیوا : ابھی تم سے تھوڑی دیر پہلے ہی لوٹی ہے -

(ناتھ کچھ مطمئن سے محسوس ہوتے ہیں - جے پرکاش چلا جاتا ہے)

ناتھ : کیسی ہے وہ ؟ ٹھیک ہے نا ؟ کوئی خاص بات تو نہیں نا ؟

سیوا : میں نے پوچھا تو بولی کہ دونوں رات کو ایک دوست کے یہاں گئے تھے. دیر ہو گئی تو وہیں سو گئے - روزانہ یہی جواب ! میں کہتی ہوں کہ فکر ہوتی ہے تو جواب دیتی ہے کہ تم فکر مت کیا کرو ! رات کو وہیں رہ گئی، مان لیا، صبح تو گھر آسکتی تھی - وہ بھی نہیں تو فون ہی کر دیتی ... آفس میں فون نہیں ہے کیا ؟

ناتھ : ارے بھائی وقت نہیں ملا ہوگا ...

سیوا : اور ہم جو یہاں فکر کر کے مرے جا رہے تھے وہ کچھ بھی نہیں ؟ آج صبح تم کس حالت میں بمبئی گئے ؟ مجھ سے کچھ چھپا نہیں ہے - فون کرنے کا وقت نہیں تھا اس کے پاس ؟

ناتھ : دیکھو جیوتی سمجھدار لڑکی ہے - ہم جو کچھ کہتے ہیں کیا وہ سب اسے نہیں معلوم ؟ پھر بھی اگر کوئی بات اسے نہیں جچتی تو اس کی کوئی نہ کوئی وجہ ہونی چاہیے -

سیوا : ٹھیک ہے وجہ سے مجھے کیا ؟ سب کی کوئی نہ کوئی وجہ ہو سکتی ہے۔

ناتھ : پھر بھی! ہم لوگوں کو نئے حالات قبول کرنے ہوں گے۔ جیوتی نے اس کے ساتھ شادی جو کی ہے۔

سیوا : تو تم قبول کرو۔۔۔ تمھیں نے تو اسے اتنی ڈھیل دی تھی اس کی ہمت بڑھائی تھی۔

ناتھ : نہیں تو پھر کیا کرتے؟ بولو۔

سیوا : یہ شادی ہی نہ ہونے دیتے۔

ناتھ : سیوا، جیوتی قانوناً بالغ تھی۔ شادی کرنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ ہم تم روکتے تو ہرگز نہیں رُکتی۔ یہ پوری طرح سے اس کی پسندیدگی کا سوال تھا۔ ہم کون ہوتے ہیں اپنی بات منوانے والے؟

سیوا : اگر کوئی جان بوجھ کر گڈّھے میں چھلانگ لگانا چاہے تو کیا تم اُسے گرنے دوگے؟

ناتھ : گرنے دوں گا۔ بالکل گرنے دوں گا۔ اس کے بارے میں میرے دل میں ذرا بھی شبہ نہیں ہے۔ میرے جی میں آئے گی تو دس بار کہوں گا۔ رائے بدلوانے کی کوشش کروں گا۔ اس کے بعد بھی کوئی اگر گڈّھے میں چھلانگ لگانا چاہے تو میں نہیں روکوں گا۔

سیوا : پیٹ کی اولاد۔ یعنی اپنی بیٹی تک کو نہیں؟

(پرکاش ٹرے میں چائے لے کر آتا ہے)

ناتھ : یہاں تک کہ تمھیں بھی نہیں روکوں گا۔ لیکن اگر تمھیں کوئی تکلیف ہوئی تو مجھے بھی دُکھ ہوگا۔ کیونکہ تم لوگ میرے اپنے ہو۔ میں جن قدروں کو گھر کے باہر مانتا ہوں انھیں گھر کے اندر بھی اپناتا ہوں۔ جو آدمی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہو میں اس کے ساتھ زبردستی نہیں کروں گا۔ ہرگز

نہیں ، رہا جیوتی کا فیصلہ تو وہ مجھے ذرا بھی غلط نہیں لگا۔

سیوا : اسی کا پھل بھگت رہے ہو، بے چینی کے ساتھ راتیں جاگ جاگ کر۔

ناتھ : (چائے پیتے ہوئے) مان لو کسی غیر ذلت کے ساتھ ۔ ۔ اُس ارُون کے بجائے کسی دوسرے کے ساتھ شادی ہوتی تو کیا تم گارنٹی دے سکتی ہو کہ ہمیں آرام کی نیند نصیب ہوتی ؟ ہر نیا رشتہ اپنے میں ایک مسئلہ ہوتا ہے۔ آخر بیٹی ہماری ہے اور نیند بھی ہماری ہی اُڑنے والی ہے۔ خیر اب چھوڑو یہ ذکر۔

(جے پرکاش سے)

ہاں بھئی تمھارا کالج کیا بولتا ہے ؟ سناؤ۔

جے پرکاش: (ذرا مدھم لہجے میں) جیوتی اُدھر کھڑی ہوئی ہے۔(دروازے کی طرف اشارہ کرتا ہے)

ناتھ : کون ؟ جیوتی؟

(اُٹھ کر دروازے تک جاتے ہیں، اندر دیکھتے ہیں)

کیوں جناب آپ یہاں بیوی کی ذاتی باتیں چوری سے سُنتی ہیں؟ اس بات پر پٹائی لگے گی پٹائی !

(اُسے اندر سے اپنے ساتھ لاکر زبردستی اپنے قریب بٹھاتے ہوئے)

بیٹھو یہاں جب سیدھے باہر آسکتی تھیں، تو چوری چوری کیوں سُن رہی تھیں؟ ۔۔۔ لو چائے پیو ۔ میں نے ابھی جوٹھی نہیں کی ہے ۔ لو ۔

جیوتی : نہیں آپ ہی لیجئے ۔

ناتھ : لے بھی لو، ہمارا کیا ہے ؟ کونسل ہال میں دن بھر چائے ہی تو پیتے ہیں ۔ اچھا چلو آدھی آدھی کر لیں ۔ (آدھی چائے اُسے دیتے ہیں، آدھی خود پیتے ہیں۔

چائے پیتے وقت جیوتی کی طرف دیکھتے ہیں۔ اچانک اس کے ہاتھ پر نظریں جم جاتی ہیں۔ گمبھیر ہو جاتے ہیں) یہ تیرے ہاتھ پر کیا ہو گیا؟

(جیوتی فوراً ہاتھ چھپا لیتی ہے۔)

جیوتی : کچھ نہیں ہو۔۔۔ آپ چائے پیجئے۔۔۔ پیجئے نا۔۔۔

(آنکھیں بھر آتی ہیں۔ گلا رُندھ جاتا ہے۔ جذبات پر قابو پانے کی کوشش کرتی ہے۔)

پلیز۔۔۔ (گھٹن بھرا سکوت۔ جیوتی اچانک اُٹھتی ہے اور تیزی سے اندر جانے لگتی ہے۔)

ناتھ : جیوتی ٹھہرو۔ اندر مت جاؤ۔

(جیوتی ٹھہر جاتی ہے، لیکن مُڑ کر نہیں دیکھتی)

ناتھ : ادھر آؤ۔ تم سب کے بیچ سے اُٹھ کر یوں روتی ہوئی جاؤ۔ یہ مجھے پسند نہیں۔ پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا؟

(وہ پیٹھ موڑ کے کھڑی اپنے جذبات پر قابو پانے کی کوشش کرتی ہے)۔

ناتھ : اگر تم نہیں چاہتیں تو ہم اُس کے بارے میں کوئی بات نہیں کرتے۔ لیکن اس طرح اُٹھ کر مت جاؤ۔

(جیوتی جہاں کھڑی تھی وہیں کرسی پر ذرا پیٹھ موڑ کر بیٹھ جاتی ہے۔ چند لمحوں کے لیے سکوت چھا جاتا ہے)

(ذرا دیر سکوت)

ناتھ : (اُٹھ کر گھومتے ہوئے سوچ سوچ کر) جیوتی میں ایک بالکل الگ قسم کی بات

کہنے جا رہا ہوں۔ تم اس پر غور کرو گی۔ ارون سے بات کرو گی اور پھر جو
طے ہو ہمیں بتاؤ گی۔ جلدی نہیں ہے۔ یُو ٹیکن ٹیک یور ٹائم۔ اسیوا
اور جے پرکاش کی طرف دیکھ کر) یہ بھی اچھا ہے کہ ہمیشہ کی طرح ہم سبھی
یہاں موجود ہیں۔ ۔ ۔ اور تم لوگ یہ مت سوچنا کہ یہ بات میرے دماغ
میں ابھی ابھی آئی ہے، پچھلے کئی دنوں سے جی چاہ رہا ہے کہ کہوں۔ اصل
میں کل رات کو کہنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اسی لیے مجھے ہر حالت میں بمبئی سے
لوٹنا ہی تھا۔ جیوتی میں چاہتا ہوں کہ تم دونوں اب یہیں آکر رہو۔

(اسیوا کو مخاطب کرتا ہے جو کہ انکار کرنے کو بے قرار نظر آتی ہے۔)

ویٹ ۔ ۔ ۔ ویٹ ۔ ۔ ۔ ویٹ ۔ ۔ ۔ مجھے بات پوری کر لینے دیجئے۔ اس
کے بعد ہر ایک کو اپنی رائے ظاہر کرنے کا موقع دیا جائے گا۔ میں ایسا کیوں
چاہتا ہوں، یہ بھی بتا دوں۔ ہماری جیوتی کی شادی ہوئی تب ارون راؤ
کو سنگل روم ٹمپریری حاصل کر لینے کی امید تھی۔ لیکن وہ روم نہیں ملا۔
اندازہ کبھی کبھی غلط ثابت ہو جاتا ہے۔ اس لیے جب تک مکان کا پکّا
انتظام نہیں ہو جاتا تب تک جیوتی یہاں اپنے میکے میں رہے اور ارون راؤ
مکان تلاش کریں، یہ انہی لوگوں نے طے کیا ہے۔ اور آج کل حالت یہ ہے
کہ اچھی خاصی رقم کے بغیر پونا شہر میں مکان ملنا آسان نہیں رہ گیا ہے۔ کب
تک مکان ملے گا؟ اس کے بارے میں بھی کچھ نہیں کہا جا سکتا ہے۔ اس لیے
میرا دل اس بات پر راضی نہیں ہوتا کہ شادی ہو جانے کے بعد دونوں ایک
مدت تک الگ الگ رہیں۔ خاص طور سے ارون راؤ آج اِس دوست کے
یہاں، کل اُس دوست کے یہاں ڈیرا جمائے۔ یہ مکان ہمارا اپنا ہے۔ بہت
بڑا نہیں مگر ایک دم چھوٹا بھی نہیں ہے اور جیوتی پہلے ہی سے یہاں

رہتی آئی ہے۔ ایک اور آدمی آسانی سے ایکوموڈیٹ ہو سکتا ہے۔ ہم اس کو ایکوموڈیٹ کر سکتے ہیں۔کیوں سیوا؟

(سیوا سنجیدہ ہو جاتی ہے اسے یہ تجویز بالکل پسند نہیں لیکن وہ کوئی جواب نہیں دیتی۔)

ناتھ : ہاں جے پرکاش؟

جے پرکاش : (مذبذب) جی ...

ناتھ : جیوتی تمھاری کیا رائے ہے؟

(جیوتی اپنی جگہ پر بیٹھی تین چار بار سر ہلا کر منع کرتی ہے۔ پیٹھ پھیر کے ہی بیٹھی رہتی ہے)

ناتھ : تمھیں منظور نہیں؟

جیوتی : (جی کڑا کرکے) نہیں ... نہیں ... منظور نہیں ...

ناتھ : نہیں اس کی وجہ بتانی پڑے گی۔

جیوتی : وجہ نہیں ہے۔ مگر مجھے منظور نہیں۔

ناتھ : ہم لوگ اس طرح کبھی بات نہیں کرتے۔ یو ہیو ٹو گیو یور ریزنس جیوتی۔ میں نے اپنے ریزنس دیے ہیں۔

(جیوتی چپ ہے)

ناتھ : نو، نو ... وجہ جو بھی ہو تمھیں بتانی پڑے گی۔

جیوتی : (بے بسی سے) وہ ... وہ یہاں نہیں آئے گا۔ اس مکان میں نہیں آئے گا کیونکہ ... (بہت کوشش کرکے) میں اس سے الگ ہو گئی ہوں ... میں دوبارہ اس کے یہاں نہیں جاؤں گی ... کبھی نہیں جاؤں گی۔

(سب لوگ سکتے میں فنظر کرتے ہیں)

جیوتی : سب ختم ہو گیا ہے ۔ ۔ ۔

ناتھ : (یکایک) نو ، نو ، جیوتی ۔ ڈونٹ ٹیل سی ۔ ۔ ۔

جیوتی : آئی مسٹ ٹیل یُو بھائی جی ، آئی مسٹ ، آئی ایم فیڈ اپ آف ہِم فیڈ اپ ! فیڈ اپ !

(پھوٹ پھوٹ کر روتی ہے ۔ بڑی مشکل سے خود پر قابو رکھ پاتی ہے)

ناتھ : (اس کے قریب جا کر) کیا بات ہوئی ؟

(اس کے قریب بیٹھ جاتا ہے ۔ جیوتی بتانے کے موڈ میں نہیں لگتی)

مجھے بتاؤ ۔ ہمیشہ بتاتی رہی ہو ، بتاؤ نا !

(اسے پیار سے اپنی باہنوں میں سمیٹنا چاہتے ہیں ، لیکن وہ الگ ہو جاتی ہے ۔)

جیوتی : مجھے دُلار مت کیجئے بھائی جی ، میں رو پڑوں گی اور میں رونا نہیں چاہتی (روہانسی آواز میں) بغیر روئے مجھے سہنا سیکھنا ہے ۔ شکایت تک نہیں کرنی ہے ۔ میں نے خود فیصلہ کیا تھا مجھے اپنے بَل پر سہنا ہو گا اکیلے ۔ ۔ ۔

سیوا : آخر ہوا کیا ہے ؟

جیوتی : میں نہیں بتاؤں گی ۔ مجھ سے مت پوچھو ۔

(ابھی بھی نارمل نہیں ہو پائی ہے)

جے پرکاش : اُس نے تمھیں پھر مارا ؟ دوبارہ ؟

جیوتی : (آنسو پونچھ کر) وہ کوئی بڑی بات نہیں ہے ۔ ۔ ۔

ناتھ : تو پھر ہوا کیا ؟ ۔ ۔ ۔ جو تم نے ایک دم آخری فیصلہ کر لیا ؟

جیوتی : (اٹھ کر اندر جاتے ہوئے) مجھے نہیں معلوم۔۔۔ (فون کی گھنٹی کی آواز سن کر بے حد نفرت سے) اُسی کا ہوگا۔

ناتھ : (فون پر) ہیلو۔۔۔ ناتھ دیولالی کر! کون؟ ارون راؤ؟۔۔۔ جیوتی؟ ہے۔ نمستے ارون راؤ! میں ناتھ بول رہا ہوں! ہاں ہے۔ دیتا ہوں ٹھہریے۔ (جیوتی سے) ارون راؤ۔

(جیوتی بے دلی سے ریسور لیتی ہے)

جیوتی : (فون پر بے جان لیکن رکھے پن کے ساتھ) ہیلو۔

(سنتی ہے۔ چہرے پر غصہ۔ سہنے کی قوّت ختم ہونے پر بھی قابو رکھنے کی کوشش۔ ہونٹ چباتی ہے۔ کافی سُن لینے کے بعد)

تھینک یو۔ آئی سے تھینک یو سو مچ۔

(زور سے ریسور رکھ دیتی ہے)

ناتھ : کیا کہہ رہا تھا؟

جیوتی : خاک کہہ رہا تھا۔

(خود کو سنبھالنے کی کوشش کرتی ہوئی تیزی سے اندر چلی جاتی ہے)

جے پرکاش: لگتا ہے دل پوری طرح اُچاٹ ہو گیا ہے اُس سے۔

سیوا : اور ہوتا ہی کیا؟

جے پرکاش: پہلے ہی سے اُس کے یہی ڈھنگ تھے۔ کہاں وہ، کہاں ہماری جیوتی!

سیوا : (ناتھ سے) اور آپ اُسے یہاں بُلا رہے تھے۔

جے پرکاش: بھائی جی آپ کو یہ کیا سوجھا؟ وہ یہاں؟

ناتھ : (سوچ میں ڈوب کر) میں نے سوچا تھا جو ہونا ہے یہیں ہماری آنکھوں کے سامنے ہو۔۔۔ شاید قابو میں رہے۔۔۔ مگر یہ ڈیولپمنٹ تو بہت پریشان کُن

ہے۔ (ڈسٹرب ہو کر چہل قدمی کرنے لگتے ہیں) سمتھنگ ہیز ٹو بی ڈن اباؤٹ
اِٹ ۔۔۔ سمتھنگ ۔۔۔

سیوا : کیا کرو گے تم! کیا گود میں بٹھا کر نصیحتیں کرو گے اُسے؟

ناتھ : (اچانک توازن کھو بیٹھتا ہے) اسٹاپ اِٹ آئی سے! اسٹاپ اِٹ!
اس لڑکی کی زندگی اور موت کا سوال ہے اور تمھیں مذاق سوجھ رہا ہے؟ نالائق
(کانپ رہا ہے)۔

(سیوا اور جے پرکاش اس اچانک صورتِ حال کی وجہ سے بھونچکے رہ
جاتے ہیں)

جے پرکاش : بھائی جی، ماں مذاق میں نہیں کہہ رہی تھیں ۔۔۔

سیوا : جانے دو پرکاش۔

ناتھ : (کافی نرم لہجے میں) آئی نو۔ اس لئے مجھے خود پر قابو نہیں رہا تھا۔ آئی اپولوجائز
معاف کرنا سیوا، مجھے معاف کرنا۔

سیوا : میں سمجھتی ہوں تمھیں ان سب کی وجہ سے بڑی تکلیف پہنچی ہے۔

ناتھ : (پُرجوش انداز میں) سیوا یہ خوبصورت تجربہ کہیں ناکام نہ ہو جائے، اپنی تعبیر کے
قریب پہنچتا، یہ خواب ہماری آنکھوں کے سامنے دھول میں نہ مل جائے۔
ہمیں کچھ کرنا ہوگا۔ شادی کو ٹوٹنے سے بچانا ہوگا۔ صرف ہماری جیوتی کی خاطر
ہی نہیں ۔۔۔ یہ صرف ہماری بیٹی کی زندگی کا سوال نہیں ہے۔ سیوا یہ ۔۔۔
یہ بہت اہم مسئلہ ہے ۔۔۔ یہ ایک انمول تجربہ ہے

سیوا : (روکھے پن سے) اس مسئلہ کو لے کر بُرا دائے شروع سے ہی خلاف ہے۔ یہ
شادی اصل میں شادی ہے ہی نہیں۔ لیکن تم کہہ رہے ہو تو میں تمھارے
ساتھ ہوں۔ کیا کرنا ہے مجھے؟ بتائیے میں کیا کروں؟

(دروازے کی گھنٹی دیر تک بجتی ہے۔ جے پرکاش جاکر دروازہ کھولتا ہے۔
دروازے پر ارون ہے۔ شراب کے نشے میں)

ارون : (دروازے پہ کھڑے کھڑے جے پرکاش سے) جیوتی . . . جیوتی ہے نا؟
جیوتی کہاں ہے؟ مجھے جیوتی سے ملنا ہے۔

(جے پرکاش۔ بظاہر ساکت کھڑا ہے، لیکن اس کے اندرون میں چلنے والی
ہلچل چہرے سے ظاہر)

ناتھ : (آگے بڑھ کر) ارون راؤ؟ آؤ اندر تو آؤ۔ باہر کیوں کھڑے ہو؟

ارون : نہیں . . . مجھے جیوتی سے . . . (پکار کر) جیوتی . . . جیوتی . . .

ناتھ : (ارون کو اندر لاتے لاتے) پہلے اندر تو آؤ۔ بیٹھو۔ میں جیوتی کو بلاتا ہوں۔
اس طرح باہر کے باہر کیوں؟

ارون : بیٹھنے کا ٹائم نہیں۔ جیوتی کو بلاؤ۔ مجھے جیوتی سے ملنا ہے۔

ناتھ : (جے پرکاش سے) جاؤ جیوتی کو بلاؤ۔ کہنا ارون راؤ آئے ہیں۔

(کسی فرماں بردار کی طرح جے پرکاش اندر جاتا ہے)

ناتھ : (ارون سے) کیا لیں گے؟ بلکہ آئے ہی ہیں تو ہمارے ساتھ کھانا کھائیے۔

ارون : نہیں۔ آپ جیسوں کے یہاں کھانے والے کی اپنی اوقات نہیں۔

ناتھ : ایسا کیوں کہتے ہیں؟ سیوا ان کے کھانے کا انتظام کرو۔

ارون : نہیں مجھے جیوتی سے مل کر اس کے پاؤں چھونے ہیں۔ مجھے اس سے چھما مانگنی
ہے۔ بس اور کچھ نہیں۔

(جے پرکاش آتا ہے)

جے پرکاش: (ناتھ سے۔ اس طرح کہ ارون بھی سن لے) جیوتی نہیں آرہی ہے۔ کہہ رہی ہے
جو بھی آئے ہیں، کہہ دیجئے چلے جائیں۔

ارون : (اُٹھ کر) سُنا؟ جیوتی مجھ سے ملنا نہیں چاہتی۔ میری جیوتی۔ مجھ سے ملنا نہیں چاہتی۔ میری جیوتی آج مجھ کو جانے کو بولتی ہے۔ اس کی کوئی غلطی نہیں ہے۔ غلطی تو میں نے کی ہے۔ میں اس کی نظر میں بڑا گنہ گار ہوں۔ چاہے کچھ بھی کروں۔ میرے کیے ہوئے گناہ دُھلنے والے نہیں۔ کبھی نہیں --- میں بہت بُرا آدمی ہوں۔ کمینہ ہوں۔ مادرچود ہوں۔۔۔ میں اسے مارتا ہوں۔ ان ہاتھوں سے مارتا ہوں۔ میں جیوتی کو خوب مارتا ہوں۔ اپنی جیوتی کو میں دُکھ دیتا ہوں۔ اس کے ساتھ جانور سے بھی بدتر سلوک کرتا ہوں۔ وہ مجھے کبھی معاف نہیں کر سکتی۔ مجھے معلوم ہے۔ جیوتی تو میرے نصیب میں نہیں۔ یہی سچ ہے۔ جیوتی، میرے جیسے نیچ کمینے مہارا آخرکار گندگی میں ہی مریں گے۔ لیکن جیوتی، میں تجھ سے آخری سانس تک پریم کروں گا۔ میرا پریم جھوٹا نہیں، جیوتی۔ سچا پریم ہے۔ ان ہاتھوں نے تجھے درد دیا۔ کاٹ دینا چاہیے ان سالے ہاتھوں کو۔ انھیں توڑ دینا چاہیے۔ کاٹ دینا چاہیے۔

(پینٹ کی جیب سے چاقو نکالتا ہے)

ناتھ : (گھبرا کر) ارون راؤ یہ کیا کر رہے ہو؟ ایسا نہ کرو۔ چاقو رکھو پہلے ---- ارون راؤ۔

ارون : نہیں، اب میں رُکنے والا نہیں۔ ہاتھ کاٹ کے جیوتی کو ارپن کر دوں گا۔ تبھی سمجھ پائے گی وہ کہ ارون کا پیار بالکل سچا اور کھرا تھا۔

(سیوا بے حد سنجیدہ ہے۔ جے پرکاش پر اس کا کوئی اثر نہیں)

ناتھ : پرکاش۔۔۔ چاقو۔۔۔۔

(جے پرکاش آگے بڑھ کر چاقو چھین لیتا ہے۔ ارون روک نہیں

پاتا۔)

ارون : میرا چاقو واپس کرو۔ اپنا ہاتھ کاٹ کر الگ کرنے دو مجھے ــــ میری جیوتی کی خاطر اتنا تو کرنے دو۔ میرے کو مرنے دو ــــ

(جیوتی کا نام لے کر زور زور سے روتا ہے۔)

میں پنچ ہوں جیوتی۔۔۔ تمھاری جوتیاں اٹھانے کے قابل نہیں ہوں، میں جیوتی۔۔۔۔

ناتھ : (اس بات کو سمجھ کر کہ شراب کے نشے میں ڈرامائی انداز بھی شامل ہو گیا ہے) ارون راؤ۔ پاس پڑوس کے لوگوں کو خواہ مخواہ تماشہ دکھانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ خاموش ہو جائیے۔ اپنے ہوش میں آئیے۔

ارون : میں کچھ بھی کروں لیکن میرا پاپ نئیں دُھل سکتا۔ میں کیا کروں بھائی جی؟۔۔۔

ناتھ : کیا رونے سے دُھل جائے گا؟ چپ رہیئے۔ ڈھاریں مارنے کی ضرورت نہیں۔ ہم مہذّب لوگ ہیں۔ تہذیب سے پیش آئیے۔

ارون : مجھے میری جیوتی سے ملا دیجئے۔

ناتھ : دیکھیں گے۔ پہلے چپ ہو جائیے۔

(ارون اب ٹھیک)

ناتھ : (پرکاش سے) پرکاش جیوتی سے کہو ہم نے یہاں بُلایا ہے۔

سیوا : ٹھہرو پرکاش۔ (ارون سے) آپ جیوتی کے ساتھ مار پیٹ کیوں کرتے ہیں؟

ارون : (مجرمانہ انداز سے) اس بات پر مجھے جوتے لگائیے، پھر بھی میری غلطی کی بھرپائی نہیں ہو گی۔ پھر بھی نہیں۔

رکھ کر) نان سنس ۔ ۔ ۔ (جیوتی کو ٹھیک حالت میں دیکھ کر) کہو جیوتی، کیا ارادہ ہے؟

جیوتی : (ارون کے قریب جاکر کھڑی ہو جاتی ہے۔ سر جھکاکر) چلو۔

جے پرکاش: تم اسی کے ساتھ جا رہی ہو، جیتو؟

جیوتی : (فیصلہ کُن مگر پُرسکون لہجے میں) ہاں!

سیوا : (طنزآمیز لہجے میں) اس بار پوری طرح سوچ لیا ہے نا جیوتی؟

جیوتی : ہاں۔

ناتھ : اسے جانے دو سیوا۔ اُسے جانا چاہیے۔

(جے پرکاش ارون کا چاقو واپس کرتا ہے)

ارون : تھینکس۔

جیوتی : (ارون سے پُراعتماد لہجے میں) ہم لوگ چلتے ہیں۔

(دروازے تک جاتی ہے دروازہ کھولتی ہے۔ آنکھ کے اشارے سے ارون کو حکم دیتی ہے، 'چلو'۔ دونوں چلے جاتے ہیں۔ سیوا کا جوش اب ختم ہو جاتا ہے۔ وہ بیٹھی رہ جاتی ہے)

ناتھ : (جدھر جیوتی گئی ہے اسی طرف دیکھتے ہوئے) جیوتی آئی فیل سو پراؤڈ آف یو بیٹی۔ میری دی ہوئی تعلیم بیکار ثابت نہیں ہوئی۔ (یکایک اُداس ہو کر) ۔ ۔ ۔ لیکن میں ایشور میں یقین نہیں رکھتا۔ اگر رکھتا تو اس لمحے جیوتی تمھاری خاطر اس کے سامنے ہاتھ پھیلاکر دعا مانگتا۔

(رفتہ رفتہ پورا منظر اندھیرے میں ڈوب جاتا ہے۔)

دوسرا ایکٹ

دوسرا منظر

دوسرا ایکٹ : (کچھ مہینوں کے بعد۔ وہی پہلے والا دیوان خانہ)

دوسرا منظر: ناتھ بیٹھے ہوئے ایک کتاب پڑھ رہے ہیں۔ کتاب کے سارے صفحے پلٹ چکے ہیں۔ سیوا باہر والا دروازہ کھول کر اندر آتی ہے۔ ناتھ کے سامنے بیٹھ جاتی ہے۔

ناتھ : (کتاب ختم کر کے ایک طرف رکھ دیتے ہیں) واہ جواب نہیں! کمال ہے۔ گذشتہ کئی برسوں میں اتنی بہترین کوئی چیز پڑھنے میں نہیں آئی۔

(اپنے ہی رنگ میں مست سامنے سیوا سنجیدہ صورت بنائے بیٹھی ہے)

یو مسٹ ریڈ اِٹ سیوا۔ مجھے یاد نہیں پڑتا کہ اتنی اچھی آتم کتھا میں نے مراٹھی میں کوئی اور پڑھی ہو۔ ارون نے تو کمال ہی کر دیا ہے۔ ہر باب دل کو چھو لیتا ہے، لیکن اندازِ بیان میں جذباتیت نہیں ہے اور قطعیت کس قدر ہے۔ ایک آدھ چیپٹر چھوڑ دیں تو غیر ضروری طوالت کہیں بھی نہیں۔ لیکن ایک بات کہوں۔ اس کی زبان ایسی ہے، جو ہم لوگ بولتے ہیں وہی لکھ دی گئی ہے۔ کھری زبان انگریزی کے اثرات سے ایک دم پاک سو فیصد اسی علاقے

کی زبان۔ واہ! واہ! اپنا تو جی خوش ہو گیا۔

سیوا : (سنجیدگی سے) کیا میں کچھ کہوں؟

ناتھ : (جیسے ہوش میں آکر) سوری! کہو کہو۔

سیوا : (سنجیدگی سے) جیوتی کو ڈاکٹر کھرے کے نرسنگ ہوم میں پہنچا کر آ رہی ہوں۔

ناتھ : (گھبرا کر کھڑا ہو جاتا ہے) کس لیے؟ ہماری جیوتی ٹھیک تو ہے نا؟

سیوا : ویسے تو ٹھیک ہے۔۔۔ مگر دوبارہ اسے بلیڈنگ شروع ہو گئی تھی۔ چھٹا مہینہ چل رہا ہے۔ آگے کوئی مشکل نہ ہو اس لیے میں نے اسے نرسنگ ہوم میں داخل کرا دیا ہے۔ جیوتی انکار کر رہی تھی۔ میں نے سختی کی تب مانی۔ کُمُد کہہ رہی ہے کہ فکر کی کوئی بات نظر نہیں آتی۔ پھر بھی ہم شام تک آبزرو کریں گے۔

ناتھ : وجہ کیا تھی؟ کُمُد نے کچھ بتایا؟

سیوا : کُمُد کیا بتاتی۔۔۔ روز کی طرح شراب پی کے آیا تھا۔ جیوتی نے زیادہ کچھ بتلایا نہیں، کہتی رہی کوئی خاص بات نہیں لیکن پیٹ میں بند چوٹ آئی ہے۔ پڑوسی کہہ رہے تھے، لڑکی کو یہاں مت رہنے دیجئے، اپنے گھر لے جائیے۔۔۔ لاتوں سے بھی مارتا ہے اسے۔

ناتھ : (حقیقی پچھتاوے اور غصہ سے) مگر کیوں؟ کونسا جرم کرتی ہے وہ؟ اس کے ساتھ ایسا سلوک کس لیے؟

(سیوا اس پر کچھ نہیں بولتی)

ناتھ : حاملہ بیوی کے ساتھ ایسا سلوک! اگر مر جائے گی تو کون واپس لائے گا؟ یہ۔۔۔ خوبصورت آتم کتھا لکھنے والا شخص ایسے کمینہ پن کے سلوک پر اُتر سکتا ہے؟ کس طرح کر سکتا ہے ایسا؟ اپنی کتاب میں خود پر پڑنے

والی لاتوں کی مار کا ذکر اتنے درد بھرے دلخراش انداز میں کرتا ہے...
اور وہی آدمی اپنی جگہ جینے کی خاطر بیوی کو لاتوں سے مارتا ہے۔ پیٹ
پر بھی مارتے ہوئے ہاؤ، ہاؤ ڈیئر ہی ڈو اِٹ ٹو ہر؟ ہاؤ؟

سیوا : (روکھے پن سے) دیکھئے ناتھ جی خود سے سوال کرتے رہنے سے حالات میں سدھار ہونے والا نہیں ہے... جو سامنے ہے، حقیقت ہے۔ اسی لیے یہ ضروری ہے کہ عقل سے کام لیں، دیکھیں کیا راستہ نکل سکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ وہ شخص نوکری دھندہ کرنے سے صاف انکار کرتا ہے۔ بیوی پر بوجھ بن کر جینا چاہتا ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ اس کا ذرا بھی احسان نہیں مانے گا۔ میری رائے ہے کہ ان دلتوں کو یہ بھی نہیں معلوم کہ احسان نام کی چیز کیا ہوتی ہے؟

ناتھ : سیوا!

سیوا : تم اپنی رائے دیتے ہو تو مجھے بھی رائے دینے کا حق ہے۔ تم مجھے روک نہیں سکتے۔ ہو سکتا ہے میری رائے ایک بیوقوف کی رائے ہو۔ مگر وہ میری رائے ہے اور میری رائے میں نے سماج میں کام کرتے ہوئے بنائی ہے۔ گھر میں بیٹھ کر نہیں بنائی۔ مطلب یہ کہ ایک خوبصورت آتم کتھا اور چند خوبصورت نظمیں لکھنے والا تمھارا دلت داماد نٹھلّا رہ کر اپنی بیوی کے روپیوں سے روز دارو پینا چاہتا ہے۔ دوستوں کو بھی پلانا چاہتا ہے اور محض تفریح کی خاطر بیوی کے پیٹ میں لاتیں مارنا چاہتا ہے کیوں کہ اس کی بیوی اونچی ذات سے آئی ہے۔ اونچی ذات والوں نے اس کے پرکھوں کو پیڑھی در پیڑھی جو لاتیں جمائی تھیں انھیں وہ اِس طرح واپس کر رہا ہے۔ لگتا ہے یہی ایک عظیم کام ہے جسے عمر بھر کرنے کا اس نے تہیّہ کر رکھا ہے...

ناتھ : سیوا پلیز۔۔۔

سیوا : اور اس دوران بیوی مرجاتی ہے تو مرجائے کیونکہ اسے دوسری بیوی مل جائے گی؟ مگر ہماری بیٹی مرگئی تو دوسری آنے والی نہیں۔

ناتھ : فار گوڈس سیک سیوا۔۔۔

سیوا : مجھے اپنی بات پوری کر لینے دیجئے۔۔۔ اس تو اسی لیے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ جیوتی کو یہاں گھر پر لے آؤں گی۔ صرف جیوتی کو، اس کے آدمی کو نہیں۔ کم از کم جب تک ڈلیوری نہیں ہو جاتی وہ یہیں رہے گی۔ مگر تمہاری یہ ضدی لڑکی میرا کہنا مانے تب نا؟ ابھی وہاں کمند کے نرسنگ ہوم میں طرح طرح سے سمجھا کر دیکھا اسے۔۔۔

(اچانک مسلسل سسکیاں بھرنے لگتی ہے پھر جیسے تیسے سسکیاں دبا کر پلّو سے آنسو پونچھتی ہے)

سوری۔ پر وہ لڑکی سنتی ہی نہیں۔ مجھ سے بولی کہ تم چلی جاؤ، دوبارہ مت آنا۔ آگے کیا کرے گی مجھے معلوم نہیں۔۔۔ آج شام تک اپنے جھونپڑ پٹی والے گندے کمرے میں واپس جانے کو کہہ رہی تھی۔

(ناتھ بے چین ہے۔ فون کی گھنٹی بجتی ہے)

ناتھ : (جا کر بیزاری سے رسیور اٹھاتا ہے) بول رہا ہوں۔ جی ناتھ دیولالی کر ہی بول رہا ہوں۔۔۔ جی پڑھی۔۔۔ جی ہاں۔۔۔ اچھی ہے بہت اچھی ہے۔ اس پر گفتگو کا پروگرام رکھنا چاہتے ہیں؟۔۔۔ اچھا ہے۔ اچھا رہے گا۔ میں؟ نہیں میں انوولوڈ پارٹی۔۔۔ رشتہ دار ہوں۔ نہیں مجھے مت الجھائیے۔ پروگرام میں سننے کے لیے تو جاؤں گا۔ لیکن بولنے کے لیے مت کہیے۔ نہیں بھائی نام اناؤنس مت کیجئے۔ میں نہیں بولوں گا۔ بولنے والوں کی کیا کمی ہے؟

نانا صاحب سے کہیے، بابا صاحب ہیں ۔ بی۔ ایل کو ایک کاپی دیجئے ۔ اگر پڑھ لیں تو بول سکیں گے۔ آپ کہیں تو میں انھیں فون کر سکتا ہوں ۔ پلیز بیوی آؤٹ پلیز... نہیں نہیں ۔ میں کمٹ نہیں کر سکتا۔ دھیان رہے۔ (رسیور رکھ دیتا ہے) ۔

سیوا : "نہیں" کہنا بڑا مشکل ہے؟ ہے نا؟

ناتھ : (پریشانی سے) کتنی ہی بار نہیں بولا لیکن - - -

سیوا : اور بولنا تمھیں بھی اچھا لگتا ہے۔

ناتھ : (غصّہ ہو کر) اس نے کتاب لکھی بھی بہت اچھی ہے - - -

سیوا : اگر مجھ سے اس پروگرام میں بولنے کو کہیں تو بتاؤں، میں کیا کہوں گی؟ میں کہوں گی۔ اس اچھی کتاب میں اس کے مصنّف نے ناانصافی اور ظلم کے بارے میں، جو لکھا ہے وہ محض ڈھونگ ہے کیونکہ یہ آدمی خود میری بیٹی پر ظلم کر رہا ہے ۔ یہ اسی کی کمائی پر بے شرم بنا جیتا ہے اور اُوپر سے دارُو پی کر اسے لاتیں مارتا ہے۔ اٹھتے بیٹھتے اس کی جات پات اور اس کے ماں باپ کا نام لیتا ہے۔ اور اُن پر گندی گالیوں کی بوچھار کرتا ہے۔

ناتھ : گالیاں؟ ہمیں؟ - - -

سیوا : یہ جیوتی نے نہیں بتایا اس کے پڑوسیوں نے بتایا۔ وہ اس سے کہتی ہے تُو مجھے کچھ بھی کہہ لے مجھے مار بھی لے مگر ماں باپ کا نام مت لے اور جیوتی کو ستانے کی خاطر وہ تمھیں اور مجھے - - -

ناتھ : کیا کہتا ہے؟

سیوا : یہ مت پوچھو - - -

ناتھ : کیا کہتا ہے؟ بتاؤ - - -

سیوا : مجھے... سوشلسٹ نیتاؤں کو سیوادل کی لونڈیاں سپلائی کرنے والی کُتّی کہتا ہے وہ....

ناتھ : نو! نو... ڈونٹ ٹیل می...

سیوا : اور بھی بہت کچھ کہتا ہے جو تم سُن نہیں پاؤ گے۔

ناتھ : (بے چین ہو کر) اور مجھے؟ مجھے کیا کہتا ہے؟

سیوا : جانے دو!

ناتھ : میں جاننا چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کیا کہتا ہے... سیوا کہو کیا کہتا ہے مجھے وہ؟

سیوا : مجھ سے مت پوچھو...

ناتھ : بتاتی کیوں نہیں ہو؟ کیا کہتا ہے؟

سیوا : میں نے کہہ دیا ہے کہ مجھے وہ سب کچھ بتانے پر مجبور نہ کرو تم...

ناتھ : (اسے کندھوں سے پکڑ کر) نہیں... پہلے بتاؤ... آخر مجھے بھی تو پتہ چلنا چاہیے...

سیوا : نہیں...

ناتھ : (اسے جھنجھوڑ کر) کہو کیا کہتا ہے وہ مجھے؟

سیوا : (بہت کوشش کرکے) تم... تم جیوتی کے اصلی باپ نہیں ہو۔ تم... گروجی کی طرح... نامرد ہو.... اس کا اصلی باپ... (آگے بولا نہیں جاتا)

(دروازہ کھول کر جے پرکاش آتا ہے اور وہیں دروازے پر کھڑا رہتا ہے۔ ہاتھ میں شام کا اخبار ہے۔)

جے پرکاش : (دروازہ دھکیل کر بند کر دیتا ہے سامنے کا منظر دیکھ کر کچھ پس وپیش میں پڑ جاتا ہے) ساری! میں... روز کی طرح... ایک دم اندر آ گیا...

ناتھ : (بے چین اور جھنجلایا ہوا) اِٹس... آل رائٹ... میں ان سے...

(جے پرکاش حالات کا اندازہ کر کے متذبذب ہو جاتا ہے۔ اور اندر کی طرف جانے لگتا ہے۔)

ناتھ : اندر جانے کی ضرورت نہیں ہے یوکین ۔۔۔ بی ہیر ۔۔۔

جے پرکاش: اگر آپ موڈ میں ہوں تو ۔۔۔ ایک بات سنانا چاہتا ہوں ۔۔۔ ایسے کوئی خاص بات نہیں ہے لیکن ایک بات ذہن میں آئی ہے

ناتھ : (خود کو سنبھال کر) ہاں ! ہاں! بولو ۔۔۔

جے پرکاش: (اخبار دکھا کر) اس میں ایک خبر چھپی ہے۔

ناتھ : خبر! کیسی خبر؟

جے پرکاش: ایسی کوئی خاص بات نہیں ۔ مڈل ایسٹ میں فلسطینی گوریلوں کے خلاف اسرائیلی فوجوں نے زبردست مہم چھیڑ دی ہے ۔ مہم میں گوریلوں کا رسد، پانی بند کرنے اور ان کی ہر قسم کی مدد ختم کرنے کے لیے اسرائیلی فوجیں فلسطینی عرب شہریوں کے تمام گاؤں تباہ کرتی جا رہی ہیں۔ صرف مردوں کو ہی نہیں بلکہ بے قصور عورتوں اور معصوم بچوں تک کو موت کے گھاٹ اُتار رہی ہیں۔ ان پر بے انتہا ظلم کر رہی ہیں ۔۔۔ اس میں لکھا ہے۔

ناتھ : وہ جنگ ہے بیٹے ۔۔۔

جے پرکاش: ہاں، پر ایک بات اور یاد آ رہی ہے، کوئی چالیس سال پہلے ہٹلر کی نازی فوجوں نے یہودیوں کے سفاکانہ قتل کیے تھے ۔ آپ ہی نے ان کے بارے میں پڑھنے کے لیے مجھے کتابیں دی تھیں ۔ مجھ سے پڑھا نہیں جاتا تھا پر آپ نے کہا تھا کہ جے پرکاش پڑھو ۔ یہ تاریخ تمھیں معلوم ہونی چاہیے ۔۔۔ اور آج وہی یہودی فلسطینی عورتوں اور بچوں کا قتلِ عام کر رہے ہیں۔

ناتھ : (بے چین ہو کر) لیکن تم کہنا کیا چاہتے ہو؟

جے پرکاش: یہ کہ کبھی جن کے قتل کیے جا رہے تھے آج وہی کسی اور کو قتل کر رہے ہیں۔

ناتھ : ہو سکتا ہے کہ انھیں اپنی حفاظت کے لیے ایسا کرنا ضروری لگتا ہو۔۔۔

جے پرکاش: ہو سکتا ہے کہ اپنی حفاظت کی غرض سے عورتوں بچوں کو گولی سے اُڑا دینا انھیں ضروری لگتا ہو، پر اس کا مطلب یہ کہ جو ایک دن ظلم کا شکار ہوتے ہیں وہی آگے چل کر دوسروں پر اتنے ہی شدید ظلم کر سکتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ایسا کرتے ہوئے انھیں کسی طرح کا سکون بھی ملتا ہو۔ شکار بننے والا موقع ملتے ہی دوسروں کا شکار کرنے میں سُکھ پاتا ہو۔ لگتا ہے کہ جس پر ظلم ہوتا ہے وہ موقع پا کر کسی اور پر ظلم کرتے ہوئے بڑا مزا لیتا ہے۔

(ناتھ ایک دم سنجیدہ ہے)

جے پرکاش: مطلب یہ کہ ہم نے جو ظلم سہا ہے وہ دوسروں پر نہ ہو۔ کم از کم اپنی وجہ سے اپنے ہاتھوں نہ ہو، یہ ہم نہیں مانتے، اسی لیے موقع ملتے ہی خود زبردست ظالم ہو جاتے ہیں۔ خوب ظلم کرتے ہیں کیوں کہ ایسا کرنے میں بڑی تسکین ملتی ہے۔

(ناتھ بے چین)

جے پرکاش: تو کل کا مظلوم آج ظالم بن جاتا ہے۔ یعنی کل اگر گولیاں کھائی تھیں تو آج گولی چلا سکتا ہے۔۔۔ یعنی انسان تجربہ کی بنیاد پر اچھا انسان بنتا ہے۔۔۔ ایسا نہیں ہے وہ بڑا شیطان بھی بن سکتا ہے۔۔۔

ناتھ : (جوش میں) یہ غلط ہے ایک دم غلط ہے صرف ایک مثال دے کر ایسا اُلٹا نتیجہ نکالنا پاگل پن ہے۔ عام یہودی عوام ان مظالم کی مخالفت کیے بغیر نہیں رہیں گے۔ دیکھو انسانی تہذیب جسے خود انسان نے آج تک سنوارا سنبھالا اس تہذیب سے پورے سولائزیشن سے ہی تم انکار کر رہے ہو۔۔۔

جے پرکاش: پورے نہیں۔ میں صرف اُس حرامی (زبان دانتوں تلے دباتا ہے پھر) اردن

کے برتاؤ کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا . . .

(حیرت انگیز خاموشی)

ناتھ : (فطری غصّہ سے) پرکاش! اپنے الفاظ واپس لو!

جے پرکاش : (چند لمحے سر جھکائے کھڑا رہتا ہے پھر) غلطی ہو گئی۔ آئی اپولو جائز . . .

ناتھ : کون سے اخلاق اور روایات دے کر تمھیں پالا۔ پوسا۔ بڑا کیا اور تم! . . . کسی بھی انسان کی کیسے بھی حالات کے درمیان بے عزتی کرنا مناسب نہیں۔ ہم تہذیب یافتہ لوگ ہیں۔

(جے پرکاش خاموش رہتا ہے)

سیوا : پرکاش نے جان بوجھ کر نہیں کہا جو دل میں تھا منہ سے نکل گیا۔

ناتھ : ایسی بات دل میں لانا بھی غلط ہے۔

سیوا : بالکل نہیں کوئی اُس جیسا سلوک کرے گا تو دل میں ایسی بات آئے گی ہی۔ غلطی غلط سلوک کرنے والے کی ہے یا اسے دیکھ کر سوچنے والے کی؟ . . . . . میں کہتی ہوں آپ کس کا غصّہ کس پر نکال رہے ہیں۔ اصل میں غصّہ آیا ہے اُس پر . . . ارون پر . . .

ناتھ : (جیسے دل کا چور پکڑا گیا ہو) نہیں بالکل نہیں . . . (ذرا نرم پڑ کر) ویسے میں کوئی سادھو مہاتما نہیں ہوں کہ غصّہ نہ آئے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں کسی انسان کی بے عزتی کروں۔

(دروازے کی گھنٹی بجتی ہے)

جے پرکاش : (بینگ ہول سے باہر جھانک کر سیوا اور ناتھ سے مدھم لہجے میں) وہ آیا ہے۔ ارون ساتھ میں دو آدمی اور بھی ہیں۔

(غیر معمولی سکوت)

ناتھ : (تناؤ میں) دروازہ کھولو۔

(سیوا اُٹھ کر اندر چلی جاتی ہے
جے پرکاش دروازہ کھولتا ہے)

(ارون داخل ہوتا ہے، اس کے ساتھ دو آدمی اور ہیں۔ ان میں سے ایک ارون کے دَلت سماج کا ہے۔ دوسرا اس طبقے کا حمایتی ایک سفید پوش ہے۔ ہاتھ میں بریف کیس لیے ہوئے ہے۔ ارون اور وہ دونوں ناتھ کو نمسکار کر کے مسکراتے ہوئے اندر آتے ہیں۔ ناتھ انھیں ہاتھ کے اشارے سے بیٹھ جانے کو کہتے ہیں۔ وہ اب تک تناؤ میں ہیں۔ وہ تینوں بیٹھ جاتے ہیں۔ دونوں تکلّف میں ہیں۔ ۔ ۔ سمٹ کر بیٹھتے ہیں۔ ارون بے تکلّفی کے ساتھ پھیل کر بیٹھتا ہے۔ اس کے تمام برتاؤ سے سدھی ہوئی مکّاری اور بناوٹی پن نظر آتا ہے۔ جے پرکاش ایک کونے میں کھڑا ہے)

ناتھ : (ارون کو بھول کر دوسرے دونوں کو دیکھ کر) کہیے کیا حکم ہے؟ کیسے تکلیف کی؟

ارون : اپن تو اِن لوگوں سے پہلے ہی کہہ رہے تھے کہ سری مان جی آپ ہی جاؤ ہم نہیں چلتے۔ پن یہ کب سُننے والے تھے؟ بولے چلنا ہی پڑے گا۔ سو مجبوراً آنا ہی پڑا۔ کیوں وامن راؤ؟ تمہارے ساتھ آ گئے ' ورنہ کہاں ہو پاتا ہے آنا۔ آج کل بلانے والوں کا تانتا لگا رہتا ہے۔ بھاشن دیجئے، دعوت اُڑایئے، ناشتہ کیجئے۔ کاک ٹیل کا پروگرام ہے۔ کم از کم چائے تو پی ہی لیجئے۔ ۔ ۔ بڑے عزّت والے رائٹر ہیں نا اپن۔ آج کل ہائی سوسائٹی میں، رائٹر کا نمبر پہلا تو

گُنتی کے بعد آتا ہے۔ (اپنے طبقے والوں کے انداز میں تالی مار کر) یہ سمجھو۔ تعارف کرنا رہ گیا ہے۔ (ناتھ سے) یہ ہمارے، ہمبیر راؤ کا ملے، دَلت ساہتیہ کے تگڑے ادیب۔ بہت ہی اچھے مضمون نگار، لیکن نظرانداز ہو جانے والے آدمی اور یہ ہیں وامن سیٹھ نیور گاؤکر دَلت ساہتیہ کاروں کو ہمیشہ اپنے خرچ سے کھلانے والے، دَلت ساہتیہ کے چوٹی کے تنقید نگار۔ ہوٹل چلاتے ہیں، مگر اپنے ہوٹل کے سموسوں کی طرح سدابہار، کیوں وامن راؤ؟۔۔۔۔۔۔ ان لوگوں کی پرگتی شیل دَلت ساہتیہ نامی ایک سنستھا ہے۔ (دونوں کو آنکھ مارتا ہے) ہے کے معنی کیا؟ اپنی ہے۔ تو جناب آج کل ہماری ایک کتاب کی بڑی دھوم ہے۔ آپ کو معلوم ہی ہوگا۔ آتم کتھاتمک ناول ہے۔ آپ کو ایک کاپی پہلے ہی دینی چاہیے تھی مگر اپن ٹھہرے بجی عرف آلسی آدمی، اس لیے رہ گئی۔ کیوں وامن راؤ لائے ہو کیا؟ وامن راؤ ہمارے پبلشر بھی ہیں۔ (وامن راؤ دُکھی چہرہ بنا کر ظاہر کرتا ہے کہ نہیں لایا) نہیں لائے۔ کوئی بات نہیں۔ (ناتھ سے) ایسا ہو جاتا ہے، گھر کے لوگ بھی رہ جاتے ہیں۔ (دوسرے ساتھی سے) یہ ہمارے ناتھ صاحب بہت ہی مصروف اور کرمٹھ۔۔۔ کہتے ہیں ناوہ۔ آپ کی کاگ نگاہوں کے جنگل سے کچھ چھوٹتا نہیں، آپ نے ہماری آتم کتھا ضرور پڑھی ہوگی۔ کیوں ناتھ صاحب پڑھی کہ نہیں؟

(ناتھ بے دلی سے اثبات میں سر ہلاتا ہے)

اروَن : (ساتھیوں سے) دیکھا ہمارا اندازہ غلط نہیں ہے نا۔ (ناتھ سے) اِن لوگوں کا خیال ہے۔۔۔ نہیں درخواست ہے کہ ہماری آتم کتھا پہ جو پروگرام ہو رہا ہے اس کی صدارت آپ کریں۔ کیوں وامن راؤ، کیوں ہمبیر بھائی؟ (دونوں سر ہلا کر حامی بھرتے ہیں) اُس پر جو بحث ہوگی اس میں آپ کی وجہ سے ایک طرح کی گمبھرتا آ جائے

گی۔ ایسا ان کا خیال ہے۔ میرا کچھ بھی کہنا نہیں ہے۔

ناتھ : (تکلف سے) ابھی اسی بارے میں ایک فون آیا تھا مجھے۔ . .

ارون : وہ دوسرے . . . ۔ نگرواچنالے کی گوشٹی والوں کا ہوئے گا۔ آج کل جہاں کہیں بھی دیکھو ہر طرف ہماری آتم کتھا کے چرچے ہیں۔ یہ لوگ ہمارے خاص آدمی ہیں۔ (دونوں کو دکھاتے ہوئے) ان لوگوں کی خواہش پر آپ ضرور غور کریں گے۔ یہی سوچ کر ان لوگوں نے صدارت کے لیے آپ کے نام کا اعلان کر دیا ہے۔

ناتھ : (حیرانی سے) میری اجازت کے بغیر۔ . . ؟

ارون : (دونوں ساتھیوں سے) دیکھا، تم سے کہا نہ تھا کہ ناتھ صاحب کو ایسی باتیں پسند نہیں۔ (ناتھ سے) یہ ہم سے بولے کہ ناتھ صاحب سماج وادی ساتھی ہیں۔ آج کل ایم ایل اے ہیں۔ دغا نہیں دیں گے۔ وہ انکار کیسے کر سکتے ہیں اور پھر تمھارے سُسر بھی لگتے ہیں، ایسا یہ لوگ کہہ رہے تھے۔ . .

ناتھ : ویسے تو اس کتاب پر بولنے والے کتنے ہی لوگ مل سکتے ہیں . . .

ارون : مل ہی رہے ہیں۔ سینما کے ٹکٹ لینے والوں کی طرح لائن میں لگے ہوئے ہیں۔ سُنا ہے ایک ایک تجربہ پڑھ کے پروفیسر لوگوں کے ہوش اُڑ جاتے ہیں کہتے ہیں کہ پچھلے پچاس سَو برسوں میں . . . ؟ . . . کیوں وامن راؤ . . . ؟ سو برسوں میں ایسا کچھ پڑھا نہیں . . . ایسی گُن گُن کر رہے ہیں تنقید کے میدان کے مچھّر ــــ ساہتیہ اکادمی کا ایوارڈ ضرور ملنے والا ہے۔ . . . ایسا کہتے ہیں۔ ملنا ہو تو ملے۔ (جات بھائی سے) دَھت تیری . . . . انھوں نے کبھی دیکھا بھی ہے کہ زندگی کس کے گدھے کا گُو ہے۔ مراٹھی ساہتیہ میں ہر طرف پیٹی بورژوا جَھنجھو وادنہیں تو رومانٹی شیزم بھرا ہوا ہے۔ ٹھیٹھ مراٹھی سنت کوی لوگوں کے بعد اپن ہی تو ہیں۔ دوسرا ہے کون ؟ (ناتھ سے) تو ہم لوگوں نے پوسٹروں اور ایٹیشن

کارڈوں پر آپ کا نام دے دیا ہے ناتھ صاحب۔

ناتھ : (تیز لہجے میں) وہ میری ذمّہ داری نہیں ہے۔

اروِن : آپ کی ذمّہ داری نہ ہو تب بھی لوگ تو اسی امید پر آئیں گے کہ آپ بھاشن دیں گے۔ کیوں ہمبیر بھائی؟ (ہمبیر راؤ اثبات میں سر ہلاتا ہے) آپ اگر نئیں آئے تو بیکار۔۔۔ مِس انڈرسٹینڈنگ۔۔ نئی نئی وجہیں بتائی جائیں گی۔

ناتھ : (چال سمجھ کر) کیسی وجہیں؟

اروِن : ویسے تو ہمارے لوگ باقاعدہ ایکسپلینیشن دیں گے ہی۔۔۔ (وامن سیٹھ کو آنکھ مار کر)۔۔۔ لیکن آج کل لوگ باگ کافی چالاک ہو گئے ہیں۔۔۔ وہ سمجھ جائیں گے کہ آپ مجھ سے ناراض ہیں اس لیے نئیں آئے۔۔۔ اور پھر سب اپنے اپنے حساب سے اس کی وجہیں بتائیں گے۔ کہیں گے سُسر داماد میں بنتی نئیں ہے۔ اپن جو ہیں سو آپ کی بٹیا کے سنگ کچھ مار پیٹ کرتے ہیں یا ایسے ہی کچھ کچھ۔۔۔ ہے نا بامن سیٹھ؟ (وہ ہاں کہتا ہے) لوگ یہ بھی کہہ سکتے ہیں ہم نے آپ کی بیٹا کو گھر سے نکال دیا ہے۔ کیا ٹھکانہ بھائی لوگوں کا؟۔۔۔ اچھا کچھ ایسے بھی تیر انداز نکلیں گے ہی جو یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ لگتا ہے داماد کی ترقی سُسرال والے سہہ نئیں سکے۔۔۔ دلت داماد کو مراٹھی ساہتیہ میں عزّت اور مقام پاتے دیکھ کے سسرالی سوشلسٹ اُونچے طبقے کے لوگوں کی جان جلنے لگی۔۔۔

ناتھ : (غصّہ سے) نان سنس۔ کیا لوگ مجھے اچھی طرح پہچانتے نہیں؟۔۔۔

اروِن : بالکل ٹھیک بات۔۔۔ (اپنے ساتھیوں سے) تم لوگوں نے ان کا نام چھاپ کے بڑی گلتی کی ہے۔۔۔ اب اگر کوئی گڑبڑ ہو گئی تو خواہ مخواہ مجھے الزام نہ دینا۔۔۔ ناتھ صاحب، میں آپ سے فضول میں اصرار نہیں کرتا۔۔۔ آپ

مصروف آدمی ہیں۔ ہم جیسے لوگوں کے یہاں کبھی چھٹے چوماسے آگئے سو آگئے۔ آپ کے سمبندھ ذرا اونچے لوگوں سے ہیں۔ ہمارے یہ لوگ نچلے طبقے کے ہیں۔ مُردہ جانور کا گوشت کھا کر پلنے والے کیوں ہمبیر راؤ؟ اپنے باپ دادا ٹھہرے گو، موت ڈھونے والے۔ ہمارے لیے تو بڑی خوش قسمتی کی بات سمجھو کہ اونچے طبقے کے اثر و رسوخ رکھنے والے گھر کی گوری چٹّی لڑکی ہمارے نصیب میں آگئی۔ (دونوں ساتھیوں سے) ہماری آنریبل ساس صاحبہ ہم سے بہت پہلے سے ناراض ہیں۔ انھیں چاہیے تھا، گورا چٹّا، کمر میں سونے کی کردھنی پہننے والا، ڈگری یافتہ، بہت بڑے عہدے پر مامور داماد اور نصیب میں آپڑے ہم۔ ایک دَلت کوی اور لیکھک۔ ہماری گانڈ پر تو سنگوٹی تک نہیں ... ہاں تو ناتھ صاحب، ہمارے جلسے میں آئیں گے نا آپ؟

ناتھ : (خود پر قابو رکھتے ہوئے فیصلہ کُن لہجے میں) یہ ممکن نہیں لگتا۔ آپ میرے بھروسے نہ رہیں۔

ارون : (اٹھتے ہوئے) چلو بھائی وامن راؤ، ہمبیر راؤ، باہر چلیں۔ وہاں صدر پیسے کے پانچ سیر ملتے ہیں۔ جلسے کی پرسٹیج کا سوال تھا اس لیے ہم لوگ ناتھ صاحب کے پاس آگئے۔ اب کسی سروودئی پروفیسر نہیں تو مارکس وادی وِدوان کو گانٹھتے ہیں۔ وہ لوگ تو راہ دیکھ رہے ہوں گے کہ کوئی انھیں بلائے۔ (ناتھ سے) انھیں خواہ مخواہ ایسا لگا کہ آپ دَلتوں سے بڑی ہمدردی دکھاتے ہیں۔ کنویں کے لیے ستیہ گرہ کرتے ہیں۔ وِدھان پریشد میں سماج وادی بھاشن کرتے ہیں اور آدرشوں کے بارے میں خوب شور و غل کر کے دَلت کو اپنی بیٹی تک دے ڈالی ہے تو اس جلسے میں بھی آجائیں گے (دونوں سے) چلو!

(انجنیں سے کر دروازے تک جاتا ہے، وہاں جے پرکاش کھڑا ہے،
اس کو مخاطب کر کے)

کیوں سالے صاحب؟ کیسا چل رہا ہے تمھارا سیوا دلی سنگھ شٹ گورکھ دھندہ؟

(دونوں ساتھی باہر چلے جاتے ہیں۔ ارون دروازے کے قریب پہنچ کر،
دروازہ بند کرنے سے پہلے)

گڈ بائے۔ (باہر نکل جاتا ہے۔ دروازہ بند ہو جاتا ہے۔)

(ناتھ غصّے سے بھرا ہوا ہے۔ جے پرکاش بالکل خاموش)

ناتھ : (غصّے میں بھر کر) اسکاؤنڈرل۔۔۔

(سیوا آتی ہے۔ کھڑی ہو کر سُنتی ہے)

مجھ سے پوچھے بغیر جلسے کی صدارت کے لیے میرا نام دے کر مجھے بلیک میل کرنا چاہتا ہے۔ جیسے میں اس کے آگے اپنا سر جھکا دوں گا۔ اپنی بیٹی کے سارے دُکھ درد برداشت کر کے لاچار ہو کر جلسے میں اُس پر تعریف کے ڈونگرے برساؤں گا۔ اس کا یہ چھچلا گھمنڈ دیکھ کر متلی ہو رہی ہے۔ یہ وہی آئم کھنا والا شخص ہے، یقین نہیں آتا۔ اس کے یہاں آنے سے یہ دیوان خانہ، یہ گھر، آج کا یہ دن ایسا لگتا ہے کہ سب کچھ ناپاک ہو گیا۔ سیوا، اس وقت نہانے کو جی چاہتا ہے میرا۔ یہ فرنیچر، یہ فرش۔ سب کچھ دھو ڈالو۔۔۔ یہ۔۔۔ یہ، تمام چیزیں ناپاک ہو گئی ہیں۔ چھوت لگ گئی ہے۔ کیسے آدمی سے میرا پالا پڑا ہے۔ کیسے آدمی سے۔۔۔

(جے پرکاش ایک کونے میں سیوا کو ساری باتیں بتا رہا ہے)

جے پرکاش: (بات ختم کر کے) پھر وہ ایسے چلا گیا جیسے دنگل جیت کر پہلوان اکھاڑے سے جاتا ہے۔

ناتھ : (طیش میں آکر) ارے تو ہم بھی دنگل میں اُتر چکے ہیں کہنا تجھ سے بھی سَو گُنا تگڑے دشمنوں کے مقابلے میں - آئی وِل بی دا لاسٹ پرسن ٹو بسمٹ ٹو دیٹ بلیک میل۔ اس بھرم میں نہ رہنا کہ موم سے بھی ملائم ہیں۔ چٹّان تک کو چکنا چور کر دینے والی ہمّت ہے ہماری - یہ ناتھ دیولالی کر نہ کبھی کسی کی جیب میں بیٹھا ہے نہ کبھی بیٹھے گا . . . ہرگز نہیں -

(انتہائی غصّے میں چہل قدمی کرتے ہیں۔
سیوا کسی خیال میں کھوئی ہے۔
جے پرکاش صرف دیکھ رہا ہے)

سیوا : (ناتھ سے) میں ایک بات کہوں؟

ناتھ : (ذرا نرمی کے ساتھ) کہو۔

سیوا : تمھیں اس جلسے میں جانا ہوگا۔

ناتھ : اوہ نو - جان چلی جائے پھر بھی نہیں . . .

سیوا : پہلے میری بات سُن تو لو پھر جو چاہے طے کرنا . . . دیکھو ہم لوگ بُری طرح پھنس گئے ہیں - اگر ہم اسے دُکھاتے ہیں تو یہی مطلب ہوگا وہ جیوتی کو اور بھی ستائے گا۔ (ناتھ کچھ کہنا چاہتے ہیں اسے روک کر) ٹھہرو مجھے بات پوری کر لینے دو - جیوتی کی آج کی حالت دیکھتے ہوئے ڈر لگتا ہے - سوال جیوتی کی زندگی کا ہے اور جیوتی ہماری بیٹی ہے - تم جلسے میں شریک نہیں ہو رہے ہو، صرف یہ کہنے پر ہی وہ جیوتی کو نئے سرے سے ستانا شروع کر دے گا اور اگر سچ مچ نہیں جاؤ گے تو غصّے سے پاگل ہو کر وہ جیوتی کے ساتھ جانے کیا . . . . . (آگے کچھ بول نہیں پاتی) اسی لیے اس کے جلسے میں تمھیں جانا پڑے گا۔ صدارت بھی کرنی پڑے گی اور اچھا ہی بولنا پڑے گا، یعنی کتاب کی تعریف کرنی پڑے

گی، کیونکہ غرض ہماری ہے۔

(ناتھ بولنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن ان سے بولا نہیں جاتا۔)

سیوا : ناراض مت ہو لیکن ان سب باتوں کے لیے تم ہی ذمہ دار ہو۔

(اب ناتھ کے اوسان رفتہ رفتہ خطا ہوتے جاتے ہیں۔ وہ خود کو بے سہارا محسوس کرنے لگتے ہیں اور صوفے میں دھنس جاتے ہیں)

ناتھ : (سر جھکا کر) آئی ایکسیپٹ۔ میں اس جلسے میں جاؤں گا۔ صدر بنوں گا، اپنے بھاشن میں اس کی تعریف بھی کروں گا۔ مجھ سے جتنی بھی ہو سکتی ہے اتنی۔۔۔

جے پرکاش : (غصہ لاوے کی طرح اُبل پڑتا ہے) ڈیمڈ!۔۔۔ ڈیمڈ!۔۔۔ ڈیمڈ!۔۔۔ ڈیمڈ!۔۔۔

شدید غصے میں باہر چلا جاتا ہے۔ دروازہ آواز کے ساتھ خود بخود بند ہو جاتا ہے۔)

(مکمل سکوت۔ سیوا آہستہ آہستہ ناتھ کے قریب جاتی ہے۔ دھیرے سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتی ہے اور دھیرے دھیرے اسے تھپتھپاتی ہے۔ رفتہ رفتہ اندھیرا چھا جاتا ہے)

دوسرا ایکٹ
تیسرا منظر

دوسرا ایکٹ : وہی دیوان خانہ رات کے تقریباً نو بجے کا عمل۔

تیسرا منظر : (کوئی موجود نہیں۔ صرف ایک نائٹ لیمپ جل رہا ہے، جس کی مدھم روشنی پھیلی ہوئی ہے۔ دروازہ کھلتا ہے۔ سیوا اور ناتھ باہر سے آتے ہیں۔ سیوا بڑا لیمپ جلاتی ہے۔ ناتھ صوفے پر بیٹھ جاتے ہیں تھکے ہوئے سے اداس۔

اب اسی دروازے سے جے پرکاش اندر آتا ہے آہستہ سے دروازہ بند کر دیتا ہے۔ جے پرکاش اور سیوا تھکے ماندے ناتھ کی طرف دیکھتے رہتے ہیں۔ چند لمحے اسی طرح گذر جاتے ہیں۔)

سیوا : پانی لاؤں آپ کے لیے ؟

ناتھ : نہیں

جے پرکاش : کافی پئیں گے بھائی جی ؟

ناتھ : نہیں رہنے دو۔

سیوا : (ناتھ سے) ذرا آرام سے لیٹ جاؤ نا؟

جے پرکاش : کہیں تو سر دبادوں بھائی جی۔ آرام ملے گا۔

ناتھ : کیا تمہیں ایسا کچھ لگ رہا ہے کہ مجھے کچھ ہو گیا ہے؟ ارے بھائی مجھے کچھ نہیں ہوا ہے۔ آئی ایم فائن۔ آنے کے بعد کپڑے بدلنے کے بجائے ذرا یہاں بیٹھ گیا تھا بس۔

جے پرکاش: آپ کی پسند کا روی شنکر کا ریکارڈ بجاؤں؟

ناتھ : پرکاش بابو آج باپ کی خدمت کا جذبہ کچھ زیادہ امڈا ہوا ہے۔ کیا بات ہے؟

جے پرکاش: نہیں ایسی بات نہیں ہے... میں نے تو یوں ہی پوچھ لیا...

سیوا : (کوشش کرتے ہوئے ناتھ سے) جلسے میں آپ نے بہت اچھی تقریر کی۔ اِٹ واز اے گڈ ٹاک ... ہے نا پرکاش؟

جے پرکاش: لوگ بھی کہہ رہے تھے کہ بھائی جی کی تقریر سب سے اچھی اور ٹو دی پوائنٹ تھی۔

ناتھ : کیا جھوٹ بولنے کی بازی لگا رکھی ہے تم دونوں نے؟

جے پرکاش: جھوٹ کیسے؟

ناتھ : کیا تم یہ سوچتے ہو کہ میں جو بولتا ہوں اُسے سُن نہیں پاتا؟ ... میں آج جو بولا وہ بالکل فضول تھا۔ ایک دَم کھوکھلا گول مول! سپاٹ! محض لفاظی۔

سیوا : ہمیں تمہاری تقریر اچھی لگی۔

ناتھ : اب یہ نوبت آگئی ہے سیوا کہ اپنی عادت چھوڑ کر میری خوشامد کرنے لگو؟... تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میری آواز کے ساتھ زبردستی بدکاری ہوئی ہے۔

سیوا : اس کتاب پر تم نے اپنی رائے ہی تو ظاہر کی ہے...

ناتھ : اُس کتاب کے بارے میں میری رائے بہت خراب ہے... سیوا...

سیوا : اُس روز پوری کتاب پڑھنے کے بعد تم ہی تو کہہ رہے تھے کہ۔۔۔

ناتھ : اُس روز میں بے وقوف تھا ۔۔۔ نادان تھا ۔۔۔ آج نہیں ہوں۔ وہ کتاب کوئی ناول نہیں ہے۔ ایک سوانح حیات ہے۔ حقیقی زندگی میں جینے والے ایک انسان کی تصویر ہے اور یہ ذمّہ داری کہ وہ سچ کو پکڑا رہے اس انسان کی ہے، لیکن تجربوں سے ثابت ہونے والا جھوٹ ہے۔۔۔ ڈھونگ ہے ۔۔۔ چالاکی سے بھرا ہوا ایک فنکارانہ ڈھونگ۔ اس میں اُبھرنے والا آدمی جھوٹا ہے۔ اس کی زندگی کی ویلیوز نقلی ہیں۔ وہ زیادہ سے زیادہ ایک خوبصورت ناول ہے سیوا۔ اسی لیے بہت دھوکہ دیتا ہے۔ کیونکہ ایسا جھوٹ ایک موقع پرست کو جنم دیتا ہے۔ اُس موقع پرست میں شیطان چھپا ہوتا ہے۔ سوانح حیات کا جو لیبل اُس پر چپکایا گیا ہے اسے اُکھاڑ کر یہ لیبل لگانا چاہیے کہ یہ حقیقت کو بنیاد مان کر لکھا گیا ایک مَن گھڑت ناول ہے۔ (لمبی سانس لے کر) نہیں بھی دلت ایسے نہیں ہوں گے۔ نہیں واقعی نہیں ہوں گے۔ وہ دُکھ درد جانتے ہیں۔ انسانوں میں گنے جانے کی خاطر انھوں نے اُونچی قیمت چکائی ہے۔ وہ اپنی تکلیفوں کو سمجھتے ہیں۔ دوسرے کے درد کو بھی یقیناً جانتے ہی ہوں گے۔

(بے چینی کی وجہ سے چہل قدمی شروع کر دیتے ہیں۔ چہرے پر دُکھ کے آثار)

جیوتی کو دیکھا تھا سیوا کتنی دُبلی ہو گئی ہے۔ دیر سے آئی تھی اور پیچھے کہیں بیٹھ گئی تھی۔ میں نے اسٹیج پر سے دیکھا تو دل میں ہوک اٹھی کہ اس کے قریب جاؤں اور کہوں بیٹے تم نے یہ کیا حالت کر ڈالی ہے اپنی۔ (خود کو جذبات سے دور کر کے) میں اُس لڑکی کے چہرے پر اپنی تقریر کا کھوکھلاپن دیکھ رہا تھا۔ گیارہ

بارہ برس کی رہی ہوگی تبھی سے وہ میری تقریروں پر تنقید کرتی رہی ہے۔ وہ انتظار کرتی رہتی تھی اور میرے گھر میں گھستے ہی مجھ سے کہتی تھی، بھائی جی فالتو بکواس کی اب دوبارہ ایسی مت کیجیے گا، اگر تقریر پسند آجاتی تو خوشی اور فخر میری بچی کی آنکھوں سے چھلک چھلک جاتا تھا۔ آج وہی جیوتی یہاں ہوتی تو۔۔۔۔
(چُپ رہ جاتے ہیں) میری آج کی بے ایمانی سے میری جیوتی کو زندگی سہنے کے لیے کچھ تو حوصلہ ملے گا۔۔۔ ملے گا نا سیتوا؟۔۔۔

سیوا : (سنجیدگی سے) آخر تم نے میری بات سُن لی۔ میں نہیں جانتی کہ کس طرح اس قرض سے آزاد ہو سکوں گی؟

ناتھ : ارے! میں نے تمھاری خاطر تھوڑے ہی کیا ہے۔ میں نے تو اپنی معصوم مگر ضدی لڑکی کی وجہ سے کیا ہے۔ اُس نے میرے لیے اپنی زندگی کے ساتھ جو کچھ کیا ہے یہ اس کے سامنے کچھ بھی نہیں ہے۔

سیوا : اس نے جو کچھ بھی کیا اپنی مرضی سے کیا ہے۔ تم بے کار اپنے سر الزام نہ لو۔

ناتھ : نہیں کیا پتہ وہ کچھ عرصے بعد اپنی رائے بدل لیتی؟ اُس میں جذباتیت ضرور ہے مگر اُتھلا پن نہیں ہے۔ ہم نے اپنے سوشل کمٹمنٹ کو داؤں پر لگا دیا۔ کہا شاباش! ہو جائے یہ بھی ایک انقلابی تجربہ ہے۔ میں نے اس کے لوٹنے کی راہیں بھی بند کر دی ہیں۔ یہ بات پوری طرح آج سمجھ پایا ہوں۔

سیوا : دیکھیے شادی اُس نے ضد میں آکر کی۔ تم کچھ نہ کہتے تو بھی وہ شادی کر کے ہی رہتی۔

ناتھ : پھر بھی تم نے تو اشارہ کیا تھا، لیکن میں نے تمھاری ایک نہ سُنی کیونکہ اُس وقت مجھ پر جات پات اور اُونچ نیچ کو جڑ سے نکال باہر کرنے کا جذبہ حاوی تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اپنی جیوتی کو کھائی میں۔۔۔

جے پرکاش : پلیز۔ بھائی جی۔ آپ ایسا کیوں کہتے ہیں ؟

ناتھ : کبھی تو خود کا احتساب کرنا ہی چاہیے۔ چاہے کوئی فائدہ نہ ہو پھر بھی۔

سیوا : دیکھو تمھیں اس سے کتنا صدمہ پہنچا ہے ؟

ناتھ : ناٹ ایٹ آل۔

سیوا : ایک تو ویسے ہی ٹینشن میں ہو، اُوپر سے یہ۔ ۔ ۔

ناتھ : محض خیال ہے تمھارا۔ تم ہمیں اتنا جذباتی سمجھتی ہو؟ سیاست نے ہمیں کافی پختہ بنا ڈالا ہے۔

جے پرکاش: آپ کی آواز آج بے حد تھکی تھکی لگ رہی تھی بھائی جی۔

ناتھ : تم سمجھتے نہیں ! ارون آٹھولے کا ماسٹر پیس پڑھ کر میرا گلا بھر آیا تھا۔ میں جان بوجھ کر بھر لایا تھا۔ خوبصورت الفاظ کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر میدان میں اُتار رہا تھا اور ان کا قتل کر رہا تھا۔ مہا پُرشوں کے وچنوں کو توڑ مروڑ کے ڈال رہا تھا۔ بائرن اور کسما گرج ہمارے پسندیدہ شاعر ہیں۔ ان کا گلا گھونٹ رہا تھا۔ ایک زمانے میں کھانڈیکر کا سینٹی مینٹل آدرشش وادہم پر کس قدر حاوی تھا۔ آج کھانڈیکر جہاں کہیں ہوں گے وہاں اذیت محسوس کر رہے ہوں گے۔ آج میں نے ان تک کو استعمال کر لیا۔ کیا کہوں ؟ یہ پاپ میں نے کیوں کیا ؟ اپنی سونے جیسی بیٹی کے لیے، اپنی معصوم بیٹی کے لیے کیا۔ اگر اس بے چاری کا کوئی گناہ تھا تو ایک ہی کہ باپ کی عقل مندی پر اس نے زیادہ بھروسہ کر لیا۔ اس نے باپ کے اخلاق و عادات اختیار کر لیے۔ باپ کی انسان دوستی اور لبرلزم اپنا لیا، پرکاشش بابو آپ اب ایک ہی کام کریں۔ باپ کی نفی کریں! اس کے رنگ ڈھنگ اس کی عقل و سمجھ انھیں دھیان سے دیکھنا سیکھئے۔ اس کا بھروسہ مت کیجئے۔ کریں گے تو آپ بھی گڈھے میں کریں گے۔

سیوا : (روکتے ہوئے) فضول کی بات مت کیجیے تمھیں بہت تکلیف پہنچی ہے۔ اندر چل کر آرام کرو۔ میں تمھارے پاس بیٹھتی ہوں یا میں کھانا بناتی ہوں تم وہیں بیٹھ کر مجھ سے باتیں کرو۔

ناتھ : جاؤ تم۔ تمھیں کس نے روکا ہے؟ جاؤ تم جا کر اپنا کام کرو۔ میں رہ لوں گا اکیلے۔

جے پرکاش: آپ کا مزاج کچھ ٹھیک نہیں لگ رہا ہے بھائی جی... لگتا ہے آپ کا کچھ کھو گیا ہے۔

ناتھ : ارے کھوتا ہے دیش۔ سیاست والا کیا کھونے چلا ہے؟ وہ شطرنج کا کھیل کھیلنے میں ماہر ہوتا ہے۔ مرتا ہے پیادہ ہم نہیں مرتے۔

سیوا : (ناتھ کے قریب جاکر اسے چھوکر) اب اُٹھیے، اندر چلیے . . .

ناتھ : ارے بھئی مجھے ہوا کیا ہے جو . . .

سیوا : (اُسے زبردستی اُٹھا کر) کیا میں نے کبھی تمھیں آرڈر دیا؟ پلیز!

ناتھ : کمال ہے بھئی۔ (کہتے ہوئے اٹھتے ہیں) سیوا کے ساتھ اندر جاتے ہیں)

(دیوان خانے میں جے پرکاش تنہا بیٹھا سوچ رہا ہے پھر وہ ایک کتاب نکالتا ہے۔ بے دلی سے پڑھنا شروع کرتا ہے دروازے کی گھنٹی بج اُٹھتی ہے۔
جے پرکاش پہلے چونک پڑتا ہے پھر دروازہ کھولتا ہے۔
دروازے پر جیوتی کھڑی ہے وہ حاملہ ہے۔ دُبلی سوکھی، کمزور)

جے پرکاش: (حیرانی سے) جیوَ! . . .

(جیوتی اندر آتی ہے۔ دروازہ بند کرتی ہے)

جیوتی : بھائی جی کیا کر رہے ہیں؟

جے پرکاش: اندر ہیں ماں بھی اُن کے پاس ہیں۔

جیوتی : کیوں؟ ان کی طبیعت ٹھیک نہیں؟

جے پرکاش: نہیں ویسے تو ٹھیک ہی ہیں ۔ ذرا ڈسٹرب ہیں ۔ مگر تم کیسے ؟

جیوتی : ایسے ہی ، مجھے بھائی جی سے کچھ کہنا تھا۔ وہاں جلسے میں کہنا ممکن نہیں تھا، اس لیے یہاں آنا پڑا۔

جے پرکاش: اتنی رات کو۔ ۔ ۔؟

جیوتی : ابھی جاگ رہے ہیں نا؟

جے پرکاش: پتہ نہیں، جاکر خود دیکھ لو نا۔

جیوتی : (ذرا سوچ کر) نہیں ۔ اگر وہ جاگ رہے ہوں تو کہنا کہ میں آئی ہوں اور مجھے اُن سے کچھ بات کرنی ہے ۔

جے پرکاش: (اُس کے لہجے کے تکلف کو محسوس کرکے) اگر سو گئے ہوں تو؟ ماں سے کہوں نا کہ تم آئی ہو؟

جیوتی : کہہ دو۔ لیکن مجھے بھائی جی سے ہی بات کرنی ہے۔

(جے پرکاش اندر جاتا ہے۔ وہ اب تک حیرت میں ہے۔
جیوتی بیٹھی رہتی ہے جیسے یہ گھر کسی دوسرے کا ہو۔
فون کی گھنٹی بجتی ہے۔ بجتی ہی رہتی ہے۔
سیوا اندر سے آتی ہے)

سیوا : (رسیور اُٹھاتے اُٹھاتے جیوتی کو ایک بار سر سے پاؤں تک دیکھ کر) کیا بات ہے جیوتی ؟ تم اندر نہیں آسکتی تھیں ؟

(جیوتی جواب نہیں دیتی ۔ سیوا فون اُٹھاتی ہے)

سیوا : (فون پر) ہیلو، کون؟ مدھو؟ سیوا بول رہی ہوں بھئی ؟ وہ ذرا سو رہے ہیں ۔ طبیعت ٹھیک نہیں ۔ ۔ ۔ نہیں نہیں کوئی خاص بات نہیں۔ ایسے ہی انھیں اٹھنے کے بعد فون کرنے کو کہوں ؟ ۔ ۔ ۔ ٹھیک ہے کہہ دوں گی۔

(ریسور رکھ دیتی ہے)

جیوتی : (اُٹھ کر) میں جا رہی ہوں۔

سیوا : (حیرت سے) کیا بات ہے؟ ابھی ابھی آئی ہو اور ابھی چل بھی دیں . . .

جیوتی : (دروازے کی طرف جاتے جاتے) بھائی جی سے کہہ دینا میں فون کرکے پھر آؤں گی۔

سیوا : (حیران) جیوتی یہ کیا چل پوں لگا رکھی ہے؟

جیوتی : مجھے بھائی جی سے ایک بات کہنی تھی۔

سیوا : وہ آرہے ہیں۔ تم کہاں چلیں۔ کھانا بھی تیار ہے۔

(جیوتی کوئی ردِ عمل ظاہر نہیں کرتی۔ وہ سمٹی ہوئی خاموش کھڑی ہے)

سیوا : اگر کوئی اعتراض نہ ہو تو کھانا کھا کے ہی جانا . . .

ناتھ : (جیوتی کو دیکھتے ہی محبت سے اُس کی طرف جاتے ہوئے) جیو تم آگئیں بیٹا یہاں دروازے کے پاس کیوں کھڑی ہو؟ اِدھر آؤ یہاں بیٹھو۔ (اُسے لاکر صوفے پر بٹھلاتے ہیں) تم اچانک کیسے آئیں بولو؟ تم آئی ہو یہ بہت اچھا کیا۔ پوچھ لو چاہے سیوا سے میں ابھی ابھی تمھیں ہی یاد کر رہا تھا۔ میرے بھاشن کی اصلی تنقید کرنے والی تو تم ہی ہو، بچی تھیں جب سے . . .! جیوتی میں خاص طور پر تم سے معافی مانگتا ہوں آج تمھیں میرا نہایت ہی ردّی بھاشن سُننا پڑا۔ کچھ بات تھی کہ بھاشن میں ذرا بھی جان نہیں ڈال سکا۔ ہے نا؟ میں نے ایک دم خراب گھٹیا، شرمناک پرفارمینس دیا آج کتنے دنوں بعد تم سامنے بیٹھی تھیں اور میں بول رہا تھا مگر بدقسمتی سے میں اچھا نہیں بول سکا۔ آج تم نے ضرور کہا ہوگا یہ کیسا ہے میرا باپ؟...

جیوتی : (خشک لہجے میں) مجھے آپ سے کچھ کہنا تھا . . .

ناتھ : اور میں ہمیشہ کی طرح بکتا ہی چلا گیا۔ عادت سے مجبور جو ہوں۔ تم کھانا کھائے بغیر نہیں جاؤ گی۔ (جیوتی سے) چلو ہم لوگ ڈائننگ ٹیبل پر ہی بات کریں۔

منہ میں نوالہ پہنچتے ہی میں بولنا کم کر دیتا ہوں چلو . . .

جیوتی : (ٹھنڈے لہجے میں) نہیں یہیں بات کریں گے۔ یہیں ٹھیک ہے۔ (سیوا کی طرف دیکھتی ہے)

سیوا : میرا یہاں رہنا شاید تکلیف دہ ہوگا؟

جیوتی : (رُکھائی سے) نہ رہو تو اچھا ہے۔

(سیوا غصہ ہو کر چلی جاتی ہے۔ ناتھ اب جیوتی کا روکھا پن اچھی طرح محسوس کرتے ہیں)

ناتھ : بولو۔

جیوتی : (شروع میں آنکھ نہیں ملا پاتی پھر ایک دم سامنا کر کے) آج کے جلسے میں آپ کیوں گئے تھے؟

ناتھ : (سوال اچانک پوچھے جانے پر کچھ ہڑبڑا کر) میں؟ کیوں صاحب؟ ہمیں بلاوا بھیجا گیا تھا۔ ہمارا نام چھپا تھا اخباروں میں، پوسٹروں میں بھی تھا۔

جیوتی : آپ نے بھاشن کیوں دیا؟

ناتھ : (بے چین ہو کر) ہم لوگ بھاشن کرنے کے لیے ہی تو جلسوں میں جاتے ہیں اگر ہم نہیں ہیں تو کچھ بھی . . .

جیوتی : جھوٹ!

ناتھ : جھوٹ کیوں؟ ارے بھئی ہم بھاشن دیں گے یہی طے ہوا تھا جلسے کے صدر جو ٹھہرے۔

جیوتی : آپ ارون کی کتاب پر کیوں بولے؟

ناتھ : لیعنی؟ اچھا نہیں بولا یہی نا؟ مگر کتاب مجھے اچھی لگی تھی . . .

جیوتی : بھائی جی آپ مجھ سے جھوٹ مت بولیے۔ آپ ارون کی کتاب پر کیوں بولے؟

ناتھ : (جھوٹ بولنے کا فیصلہ کر کے) کیوں کہ مجھے اس کی تخلیق گریٹ معلوم ہوئی تھی - تم چاہے اپنی ماں سے پوچھ سکتی ہو . . .

جیوتی : (آواز میں درشتی) آپ جھوٹ بول رہے ہیں !

ناتھ : (مدافعت کے لہجے میں) نہیں، سچ کہتا ہوں - یقین نہ ہو تو وسنت کو فون کر کے معلوم کر لو -

جیوتی : مجھے گواہوں کی ضرورت نہیں، جانتی ہوں آپ جھوٹ کہہ رہے ہیں - کتاب آپ کو پسند نہیں آئی . . .

ناتھ : (باطن میں خوفزدہ لیکن بظاہر زور سے) یہ کیسے کہہ سکتی ہو ؟

جیوتی : پسند آنے پر کوئی ایسے بھاشن دیتا ہے ؟

ناتھ : میں نے بتایا تو آج بات کچھ بھی نہیں -

جیوتی : بات ٹالنے کی کوشش مت کیجئے آپ نے جو آج کے جلسے میں شرکت کی اس کی وجہ کچھ اور تھی -

ناتھ : وہ تو ہے ہی - ارون جی خود آئے تھے . . . . تم سے انھوں نے کہا ہی ہوگا.

جیوتی : آپ اسی لیے وہاں گئے تھے . . . اور بولے تھے کہ آپ کو ڈر تھا کہ اگر نہیں جاؤں گا تو ارون مجھ پر اور بھی ظلم کرے گا -

ناتھ : (لاجواب ہو جاتا ہے مگر پھر بھی) ویل، وہ کنسی ڈریشن نہیں تھا ایسا بھی نہیں کہہ سکتے . . .

جیوتی : (تیکھے لہجے میں) وہی کنسی ڈریشن تھا دوسرا کنسی ڈریشن نہیں تھا . . . آپ کا . . . آج کا بھاشن ردّی تو تھا ہی وہ ایسا بھی تھا جیسے بھاڑے کے لوگ بولتے ہیں - آپ بھاڑے پر بولنے گئے تھے ؟ بھاڑا لے کر تعریف کر رہے تھے ؟

ناتھ : (سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے) جیوتی ۔ ۔ ۔

جیوتی : میں بھلے ہی مرجاتی مگر آپ نے بھاشن کیوں دیا؟ کیا آپ نے مجھ پر احسان کیا؟

ناتھ : احسان کاہے کا ۔ ۔ ۔ آخر ایک ہی گھر کے آدمی ہیں ہم ۔ ۔ ۔

جیوتی : نہیں، ہیں۔ میں اس گھر کی نہیں ہوں ۔ ۔ ۔

ناتھ : غصّہ میں چاہے جو کہہ لو لیکن پھر بھی ۔ ۔ ۔

جیوتی : (سخت لہجے میں) میں اِس گھر کی نہیں ہوں۔ میں تمھاری کسی کی کوئی نہیں ہوں۔ دوبارہ یہ بات نہ کہئے گا۔

ناتھ : (بات کو ہنس کھیل کر سہنے کی کوشش کرکے) پھر کس کی ہو بھئی ۔ ۔ ۔

جیوتی : آپ خوب جانتے ہیں میں کس کی ہوں جسے آپ پسند نہیں کرتے، جسے آپ اَچھوت مانتے ہیں، مَیں اس کی ہوں۔ آپ کا پاک صاف مَن جسے چھوکر بھرشٹ ہوجاتا ہے، اس کی ہوں میں ۔ ۔ ۔

ناتھ : تم غلط سوچتی ہو جیوتی ۔ ۔ ۔

جیوتی : زیادہ جھوٹ مت بولیے پلیز۔

ناتھ : (جیسے گھیر کر پکڑ لیے گیے ہوں) کیا بنیاد ہے تمھارے کہنے کی کہ ہم اسے پسند نہیں کرتے؟ اس گھر میں ہمیشہ اس کا سواگت کیا گیا ہے ۔ ۔ ۔ ایک کوی اور لیکھک مان کر عزت ہی کی گئی ہے ۔ ۔ ۔

جیوتی : وہ سُنا میں نے آپکے بھاڑے کے بھاشن میں ۔ جھوٹ اور دھوکہ دھڑی والے بھاشن میں اور میں سمجھ رہی تھیں کہ آپ اصل میں کیا کہنا چاہتے ہیں۔ مَیں وہ سُن رہی تھی جو آپ بول نہیں پارہے تھے۔ آپ کی نگاہیں جب جب اُسے دیکھ لیتی تھیں زہر ٹپکاتی تھیں۔ جلسہ ختم ہونے کے بعد اُس نے آپ سے

ملنے کی کوشش کی تھی۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ کیسے آپ اپنے اُس باعزت شخص کو ایک دم ٹھنڈے پن سے نظر انداز کر کے چل دیئے تھے۔ ناتھ صاحب آج کے بعد آپ مجھے دھوکہ نہیں دے سکتے۔ ارون کے لیے آپ کے دل میں بے حد نفرت ہے کچھ اور نہیں ہے۔

ناتھ : (سمجھانے والے دھیمے لہجے میں) تم غلطی کر رہی ہو، یہ نفرت ارون کے لئے نہیں بلکہ ارون کے غلط سبھاؤ اور عادتوں کے لیے۔۔۔

جیوتی : غلط سُبھاؤ اور عادتوں کے لیے! آپ کی یہ باتیں سُنتے سُنتے ہی تو میں بڑی ہوئی کہ انسان سے نہیں اُس کی بُری عادتوں سے نفرت کرو۔ بنیادی طور پر انسان بُرا نہیں ہوتا، وہ اچھا ہوتا ہے۔ بُری ہوتی ہیں اس کی عادتیں۔ اُن بُری عادتوں کو بدلنا ہوگا، جڑ مُول سے ختم کرنا ہوگا پھر دیکھئے یہ دُنیا ہی جنت بن جائے گی۔ ضرورت ہے انسان کے اندر سوئے ہوئے بھگوان کو جگانے کی ۔۔۔ یہ سب فریب ہے۔ بیوقوفوں کی بکواس ہے سچائی یہ ہے کہ آپ بھی جانتے رہے ہیں کہ انسان اور اس کی فطرت دو الگ الگ چیزیں ہو ہی نہیں سکتیں۔ دونوں ایک ہیں۔ جُدا نہیں ہیں اور انسان کو آپ یا تو پُورا کا پُورا قبول کر سکتے ہیں یا پھر اسے رد کر سکتے ہیں۔ کئی بار تو آپ چُن ہی نہیں سکتے۔ انسان کے اندر کے حیوان کو سُلا کر بھگوان کو جگانا ایک اوٹ پٹانگ خیال ہے۔ ان سب باتوں کو سمجھنے کے لیے آپ کی وجہ سے مجھے اپنی زندگی کے بیس سال گنوانے پڑے۔ اپنے تجربہ کی بنیاد پر سیکھنا پڑا۔ ارون آٹھولے نام کے آدمی سے ملنا پڑا۔ آپ نے مجھ سے جو چُھپایا تھا وہ ارون آٹھولے نے مجھے دیا۔ احسان تو اس کا ماننا چاہیے مجھے۔

ناتھ : دیکھو جیوتی یہ مسئلہ ایسا نہیں کہ دو باتوں میں اڑا دیا جائے۔ اس پر تفصیل سے

اور ٹھنڈے دماغ سے۔۔۔

جیوتی : آپ کیا کیجیے باتیں، تفصیل سے اور ٹھنڈے دماغ سے، میرے پاس وقت نہیں، ٹھنڈا دماغ بھی نہیں۔ مجھے اپنی لڑائی لڑنے کی خاطر جانا ہے رات کو جب اروَن شراب کے نشے میں دُھت ہو کر میرے سامنے آتا ہے تو اُس وقت آئیے کبھی ہمت ہو تو۔ اُس میں جنگلی درندہ اُتر آتا ہے۔ ہونٹوں پر، چہرے پر، ... جسم کے ایک ایک عضو میں اروَن بالکل درندہ ہوتا ہے۔ جانور کی فطرت سے اس کی فطرت الگ نہیں ہوتی۔ شروع شروع میں پاگلوں کی طرح مَیں اُس اروَن کو ڈھونڈا کرتی تھی جو بُری فطرت کا نہیں ہے۔ وہی دُھن سوار کر لیتی تھی اُسے باہوں میں سمیٹ لیتی تھی۔ تجربے نے سکھایا کہ ایسا کبھی نہیں ہوتا۔ جانور بھی اروَن ہوتا ہے اور عاشق بھی اروَن ہی ہوتا ہے۔ راکشس بھی اروَن ہی ہے اور شاعر بھی اروَن ہی ہے اور دونوں ایک دوسرے سے جُڑے ہیں ایک ہیں ایک ہیں۔ ایک ہیں۔ کچھ اتنے ایک سے کہ پتہ ہی نہیں چلتا کہ کونسا راکشس ہے اور کونسا عاشق؟ پیار کی مستی میں ملتی ہیں گندی گندی گالیاں اور پٹتے کُٹتے وقت اچانک جذباتی اور گہرے بوسوں کی بارش۔ اس بھیانک دُرگت سے تھک ہار کر ٹوٹتا جسم سو جاتا ہے اور جب اُٹھ کر کام میں لگ جاتا ہے تو ہاتھ لگتی ہیں۔ درد کی حالت کو چھلکاتی ادھوری کویتا کی چار جذباتی سطریں۔۔۔ اُن سطروں سے نئے سرے سے پیار کرنا شروع کرتے ہیں اور اِدھر کان میں گھُستے ہیں پیچ اور کمینے منصوبے کہ کیسے فلاں فلاں ایماندار مخلص کو اُلٹے چھُرے سے مونڈا جائے؟۔۔۔ یہ سب ایک ہی آدمی کرتا ہے۔ ایک ہی وقت کرتا ہے۔ مجھے بتائیے کون سے جانورپن کو جڑ سمیت ختم کروں؟ کون سے بھگوان کو جگاؤں؟ بتلائیے۔۔۔ ان سب کو ملا کر ہی اردن بنا ہے اور جیسا بنا ہے

ویسا ہی مجھے قبول کرنا ہے کیونکہ میں اسے رد نہیں کر سکتی . . .

ناتھ : کیوں ؟ اگر ایسا وقت آتا ہے تو بھی میں تمھارے ساتھ رہوں گا . . .

جیوتی : وہ وقت نہیں آئے گا بھائی جی ، کیوں کہ لڑائی میں پیٹھ دکھانا غلط ہے ۔ آپ ہی نے ہمیں یہ سکھایا ہے کہ حالات کے سامنے گھٹنے ٹیک دینا بزدلی ہے ۔ یہ تالیاں لوٹنے والا جملہ آپ ہی کہتے رہے ہیں اور یہ کہہ کر کہ ہمارا باپ کتنا گریٹ ہے ہم تالیاں پیٹتے رہے ہیں ۔ یہی نہیں اس مفہوم کی کئی کوٹیشنز آپ نے ہم سے رٹوائی تھیں نا ؟ یہ ڈرگ ہمارے خون میں گھل مل چکا ہے ۔ اس نے ہمارے سارے شعور کو مُردہ کر دیا ہے ہم بھاگ نہیں سکتے ۔ بھاگ کر جان بچانا بھلے ہی عقل مندی کا کام ہو اور بھلے ہی دوسرے لوگ یہ عقل مندی دکھاتے ہوں بلکہ وہی عملی زندگی کا اصول ہو پھر بھی ہم یہی گاتے رہیں گے " آگے بڑھتا جا سپاہی ' بڑھتا جا " ، کہتے اور تجربے کے لیے جان گنواتے رہیں گے اور بھائی جی آپ . . . . انسان کے اندر سوئے ہوئے بھگوان کو جگاتے ہوئے آرام سے جئیں گے بھائی جی . . .

ناتھ : (تلملا کر) جیوتی ، کیا کہہ رہی ہو ؟ . . .

جیوتی : یہی سچ ہے ۔ یہ سچ آپ کے علاوہ میں کسے سُناتی ؟ اِسی لیے آئی تھی ۔ (اُٹھ کر) جاتی ہوں ۔

ناتھ : پلیز ٹھہرو . . . ایسے مت جاؤ . . . ہم لوگ اطمینان سے سوچیں گے . . .

جیوتی : سوچئے آپ ، مجھے تو سوچنا بند کر کے جینا سیکھنا ہے ۔ بہت سوچتی ہوں ۔ بہت تکلیف پاتی ہوں ۔ مار پیٹ سے نہیں اب خیالات سے تکلیف پاتی ہوں ۔ زیادہ نہیں سہہ پاؤں گی بھائی جی ۔ مجھے معاف کیجئے ۔ جو منہ میں آیا کہہ گئی ۔ مگر آج آپ کا یہ نقلی پن دیکھ کر بہت چڑ ہوئی کہ آخر کس لیے اس آدمی نے

صبح و شام ہمارے ہی جسم میں بھلائی اور سچائی کا ڈرگ ٹھونسا؟ اگر یہ انسان تمام چکرویو میں سے باہر نکل کر جی سکتا ہے تو کیوں اس نے ہماری راہیں بند کر دی ہیں؟ میں بھول نہیں پاتی ہوں ایک منظر جو برسوں پہلے کبھی دیکھا تھا۔ اسکول کے راستے پر ایک آدمی نے ایک بہنگی کی ٹوکریوں سے ڈھکنے کھولے اور ٹوکریوں میں سے برآمد ہوئے، کانپتے ہوئے، لڑکھڑاتے انسان جیسے دکھائی دینے والے، ہڈیوں سے چمٹی ہوئی کھال اوڑھے، جھرّیوں بھرے جاندار! کسی نے بتایا تھا کہ یہ لوگ چھوٹے بچّوں کو پکڑ لے جاتے ہیں۔ اور ان کے ہاتھ پاؤں توڑ کر اپاہج بنا دیتے ہیں۔ میں آپ کو کڑوے شبد سُنا رہی ہوں بھائی جی مجھے معاف کیجئے گا، مگر آپ نے ہمیں ... (آگے نہیں بول پاتی)

(ناتھ سکتے کے عالم میں،

جیوتی دروازے کی طرف بڑھتی ہے)

ناتھ : (بھرائی ہوئی آواز میں) پھر آؤ گی نا جیوتی؟

جیوتی : (فیصلہ کُن انداز میں) نہیں یہاں آنے ہی مجھے اپنی دُنیا سے نفرت ہوتی ہے۔ دیر سے ہی سہی، جو سچ دیکھا ہے اسے نظر انداز کر کے میں دوبارہ اندھی ہو جانا چاہتی ہوں۔ مجھے اپنی اُسی دنیا میں جینا ہے ... (ذرا رُک کر) مرنا ہے۔ ماں سے سوری کہیے گا۔ اس کو بتا دیجئے آپ لوگوں میں سے کوئی میرے گھر نہیں آئے گا یہ میرا حکم ہے ...

ناتھ : تمھاری زچگی؟

جیوتی : (سخت لہجے میں) میرا شوہر ہے۔ میں بیوہ نہیں ہوں۔ اگر ہو بھی جاؤں گی تو آپ کے دروازے پر دستک نہیں دوں گی۔ میں جیوتی ہوں ناتھ دیوالی کر نہیں ہوں! جیوتی

ارون آٹھولے ہوں ایک مہارنی ہوں ۔ دُلِت شبد استعمال نہیں کرتی کیونکہ وہ مجھے پسند نہیں ہے میں دُلِت نہیں ہوں ۔ مہارنی ہوں ۔ مہارانی ہوتی ہے ناویسے ہی میں مہارنی ہوں ۔ مجھے مت چھوئیے ۔ میری پرچھائیں سے بچیے، نہیں تو میری آنچ آپ کی اُونچی قدروں کو جُھلسا کر رکھ دے گی!

جیوتی چلی جاتی ہے ۔

دروازہ " دھپ" کی آواز کے ساتھ بند ہو جاتا ہے

گویا ناتھ کے دل کی دھڑکن رُک گئی ہو

مکمل سکوت چھا جاتا ہے ۔

جیوتی جدھر گئی ہے ناتھ اسی طرف سکتے کے عالم میں دیکھتے رہتے ہیں ۔

پس منظر میں بھیانک موسیقی شروع ہوتی ہے ۔

جو تیز ہوتی اور چاروں طرف پھیل جاتی ہے ۔

بڑی بڑی عمارتوں کے ڈھہنے کی آوازیں شروع ہو جاتی ہیں ۔

ناتھ کی پیشانی پر نظر آنے والی روشنی بُجھ جاتی ہے ۔

ناتھ روشنی کی تلاش میں آگے سرکتے ہیں ۔

عمارتیں ڈھہنے کی آوازیں تیز ہوتی ہیں

اور دہشت پیدا کرتی ہیں ۔

وہی روشنی پھر جلتی بجھتی ہے ۔

ناتھ روشنی تک پہنچ جاتے ہیں ۔

ساری عمارتیں ڈھہ جاتی ہیں ۔

آخری روشنی جلتی ہے، بجھتی ہے، جلتی ہے، بجھتی ہے۔
ناتھ کرسی میں دھنس جاتے ہیں۔
ڈھینے کی مہیب آواز تیز تر ہو جاتی ہے۔
رفتہ رفتہ پردہ گر جاتا ہے۔

سرسوتی سمان ۱۹۹۳ء

وِجے تینڈلکر کا خُطبہ

۳، مارچ ۱۹۹۴ء کی شام نئی دہلی کے فکّی آڈیٹوریم میں
منعقدہ سرسوتی سمّان کی پُروقار تقریب میں پڑھا گیا خطبہ

میرا تخلیقی سفر

وجے تیندولکر

ادب کی راہ اختیار کرنے سے بہت پہلے، یہاں تک کہ جب میں زبان سے ایک لفظ ادا بھی نہیں کر سکتا تھا، میں نے ایک چال سیکھ لی تھی۔ وہ یہ کہ آدمی زیادہ چلا کر جو کچھ بھی چاہے، حاصل کر سکتا ہے۔ بس آپ کی آواز کافی اونچی ہونی چاہیے اور اس میں جارحیت کی آمیزش بھی ہو۔ لوگ آپ کی طرف توجہ دینے پر مجبور ہوں گے۔

کچھ ہی دنوں بعد مجھ پر ایک اور حقیقت کھلی۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ آپ ہر موقع پر شور و غل مچائیں۔ یہ بات ہمیشہ تو نہیں لیکن اکثر سچ ثابت ہوتی ہے کہ لوگوں کی مرضی پر عمل کر کے بھی آپ کی تعریف و توصیف ہو سکتی ہے۔

بعض دفعہ آپ کا واسطہ کسی ایسے شخص سے پڑ سکتا ہے جو آپ کی چال بازی کو بھانپ لے۔ اس صورت میں اگر آپ کچھ پاتے نہیں تو کھوتے بھی نہیں ہیں۔ کم از کم آپ کی پیٹھ ٹھونک کر یہ کہا جاتا ہے کہ "یہ شخص کتنا چالاک ہے، کیسی ایکٹنگ کر رہا ہے۔" کبھی اس میں یہ بھی بڑھا دیا جاتا ہے کہ "دیکھو اسے معلوم ہے کہ دوسروں کی خوشنودی کیسے حاصل کی جاتی ہے۔"

بظاہر ان الفاظ کی اہمیت اور مفہوم کو سمجھنے کی میری عمر نہ تھی لیکن اپنی شخصیت سے

اظہار کا طریقہ سیکھنے سے پہلے آدمی چالاک ضرور بن جاتا ہے۔

وقت کے ساتھ ساتھ چالاکی کی یہ فطری صلاحیت بڑھتی گئی۔ میں اس نتیجے پر پہنچا کہ کم سے کم محنت کے بغیر بھی امتحان میں کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے۔ اگر آپ امتحان پاس کرنے جائیں تو والدین آپ کو پریشان نہیں کرتے۔ وہ بس یہی افسوس کرتے ہیں کہ دوسروں کے مقابلے میں آپ کے نمبر کم رہ جاتے ہیں۔

ایک بار کی بات ہے، ٹھیک یاد نہیں کہ ایسا کب ہوا تھا، یہ خیال میرے ذہن میں بھی آیا کہ پڑھنا ضروری نہیں اور امتحان تو بغیر پڑھے بھی پاس کیا جا سکتا ہے۔ اس سے قبل کہ یہ خیال ذہن میں راسخ ہوئیں میں نے اپنی پڑھائی ختم کر لی بلکہ یہ کہیے کہ ۱۹۴۲ء کی تحریک نے عملاً اُس پر خاتمے کی مہر لگا دی ہے۔

خاتمے کی مہر سے مراد ہے اسکول کی تعلیم کا اختتام۔ وہ تعلیم جو زندگی کا ہنر سکھاتی ہے اُس کے حصول کا سلسلہ رہا بلکہ اُس کا شوق اور بڑھ گیا۔

۱۹۴۷ء میں آزادی ملنے کے بعد سے تیزی سے ہونے والے واقعات کا ایک سلسلہ ہے۔ اس دوران ملک کے حالات میں حیرتناک رفتار سے تبدیلیاں آئی ہیں۔ ایسا محسوس ہوا کہ زمین قدموں کے نیچے سے نکل گئی ہے اور جو کچھ بچ رہنے کی توقع کی جا سکتی تھی وہ بھی تباہی کی نذر ہو گیا ہے۔

یہ صرف ہمارے ملک کا ہی نہیں بلکہ پوری دنیا کا المیہ ہے۔ جب اقدار نے دم توڑ دیا تو انسان کے پیچھے سائے کی مانند بے معنی رسوم ہی باقی رہ گئیں۔ اور پھر یہ ہوا کہ رسوم بھی اپنی بنیاد سے محروم ہو گئیں اور ہمارے حصے میں مسائل سے نبرد آزمائی کے سوا کچھ نہ آیا۔ ہمیں یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ ان مسائل کا سامنا کیسے کیا جائے۔ اس کے بعد اقدار کی اخلاقیات سے بے گانگی کا مرحلہ آیا۔ اقدار کو کہانیوں اور داستانوں کی شکل دے دی گئی اور اخلاقیات کو ہم حالات سے منسوب کرتے رہے۔ یہ کام بھی کچھ آسان نہ تھا اور اس میں

بھی بڑی قباحتیں تھیں نتیجتاً نقصان ہمیں ہی اُٹھانا پڑا۔ اپنے اعمال کی تائید حاصل کرنے کے لئے جدوجہد ناگزیر تھی اور زندگی میں ایک طرح کا توازن برقرار رکھنے کی غرض سے ہمیں بہت سے ہتھکنڈے بھی استعمال کرنے پڑے۔

ہم بھی بانکے جوانمردوں میں سے تھے اور ہم میں سے کئی افراد اس جدوجہد کے دوران بلندی پر پہنچ چکے تھے۔ بس اُن نسلوں کے نمائندوں میں سے ہوں۔ یہی سب دیکھتے ہوئے میں بڑا ہوا ہوں۔ سچ پوچھئے تو میں نے ان تجربات کے درمیان زندگی گذاری ہے۔

ایسا نہیں ہے کہ ان تمام تبدیلیوں سے صرف ہم لوگوں کا ہی سروکار تھا۔ موجود زمانے میں بھی بہت سے واقعات رونما ہوئے ہیں اور یہی زمانہ زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔

گذشتہ کئی سالوں کے درمیان، استعماریت کے نقوش دھندلے پڑتے ہیں۔ حکومتیں گری ہیں اور لوگوں کے انداز فکر میں تبدیلی آئی ہے۔ ذہنوں کو درپیش مسائل کا کوئی حل یا جواب تو تھا ہی نہیں بلکہ سوالات بھی حالات اور پریشانیوں میں اُلجھ کر رہ گئے۔

ابھی یہ سلسلہ جاری ہی تھا کہ کسی فلم میں چارلی چیپلن کے کردار کی طرح اپنی فطری ذکاوت اور چالاک بننے کی صلاحیت کے سہارے ہم اپنے مسائل کو سلجھانے کے بجائے اس میں پس و پیش کرتے رہے۔ یہ ہماری خام خیالی یا فریب نظر تھا کہ بظاہر آگے بڑھ رہے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم دلدل میں روز بروز دھنستے جا رہے تھے۔ ہمیں اپنی منزل کا بھی پتہ نہ تھا اور ہوتا بھی کیسے جب ہم حرکت ہی نہیں کر رہے تھے۔ ایسی صورت میں زمین کو تو ہمارے پیروں کے نیچے سے کھسکنا ہی تھا۔ یہ عمل آج بھی جاری ہے اور اس کا کوئی حل نظر نہیں آتا۔

اپنے مخصوص لباس اور حرکات سے چارلی چیپلن ہر شخص کو دھوکا دیتا ہے۔ ہماری

نسل کی بھی صورتِ حال مختلف نہیں ہے جس نے مسائل سے کنارہ کشی کا رویہ اختیار کیا ہے۔ چپلن کا واسطہ نسبتاً پُرسکون دُنیا سے تھا، جس میں اسے اپنے ہر سوال کا جواب مل جاتا تھا۔ جب کہ ہمارے دَور کے حالات کہیں زیادہ سنگین ہیں۔ تاہم چپلن کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے ہم نے بھی ایک ایسی جنونی دَوڑ کا آغاز کردیا ہے جس کی انتہا کیا ہوگی، کچھ کہا نہیں جاسکتا۔ آج بھی ہم جادہ و منزل سے بے نیاز چلے جارہے ہیں۔ لیکن ابھی تک سمتِ سفر کا تعین بھی نہیں کرپائے ہیں۔

آپ ایک ایسے ہی شخص کو اعزاز سے نواز رہے ہیں جو گم کردہ راہ نسل کا نمایندہ ہے۔ میرے جس کام کو سرسوتی سمان کے لیے منتخب کیا گیا اس کا تعلق اسی عہد اور نسل سے ہے۔ یہ کوئی فتح و کامرانی کی پُرکیف داستان نہیں ہے بلکہ شکست اور ذہنی بے سمتی کا اعتراف ہے۔ یہ ایک ایسے malaise اور اس سے پیدا شدہ کرب کا اظہار ہے جس کی جڑیں ماضی کی گہرائیوں میں پیوست ہیں۔ اعزاز بخشا جاتا ہے اقدار کو، فتح اور شہرت کو، رزم گاہ میں فتح مندی کی آرزو سے سرشار ہو کر قدم رکھنے اور سربلند ہونے والوں کے جذبۂ کامرانی کو اعزاز سے نوازا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ اعزاز قبول کرتے ہوئے میں عجیب اُلجھن اور ذہنی کشمکش میں مبتلا ہوں۔

مجھے حیرت ہو رہی ہے کہ آخر مَیں نے کونسا ایسا کام کیا ہے جس کے صلے میں مجھے یہ اعزاز دیا جارہا ہے؟

یہ سچ ہے کہ جو کچھ میں نے پڑھا ہے اور اپنے اِرد گرد کے لوگوں کا جو بھی مطالعہ و مُشاہدہ کیا ہے اسی کو قلم بند کیا ہے۔ میں نے ان سب کے ساتھ انصاف کیا ہے اور اپنی نسل کو فریب نہیں دیا ہے۔ میں نے اپنے ناظرین کے سامنے اپنے ڈراموں کو پیش کرتے ہوئے متعلقہ مسائل و موضوعات کو ہلکا کرکے نہیں دکھایا ہے۔ حالانکہ ڈرامے کے وسیلے سے ایسا کرنا میرے لیے کافی آسان تھا۔ بعض اوقات میرے ڈراموں نے معاشرے کو

ہلا دیا ہے اور مجھے اس کی سزا بھی دی گئی۔ میں ہر اذیت کو اپنی جان پر کھیل کر برداشت کر گیا لیکن تخلیق کے جرم پر معافی یا معذرت کا طلب گار نہیں ہوا۔ میں بھی اپنی بات پر اٹل رہا کیونکہ یہ میری پرانی عادت ہے کہ جس بات سے مجھے روکا جائے میں لامحالہ وہی کرتا ہوں۔

جو کچھ مَیں نے لکھ دیا ہے اس کے علاوہ کچھ اور لکھ بھی نہیں سکتا تھا۔ کیوں کہ میرے قلم پر وہی آیا جو میری آنکھوں نے دیکھا ہے اور بحیثیت ادیب کے جو کچھ میں دیکھ نہیں سکتا اسے الفاظ کی شکل دینے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتا۔

کسی مقصد یا فرض سے وفاداری کے احساس نے مجھے لکھنے پر کبھی مجبور نہیں کیا۔ میری تحریروں کی وجہ ہے لکھنے کی کرید یا تخلیق کی خلش۔ آپ اسے چاہے جو نام دے لیں اور حقیقت یہ ہے کہ میں لکھنے کے علاوہ کوئی دوسرا کام کر ہی نہیں سکتا۔ اگر ایسا ممکن ہوتا تو آج میں مصور، موسیقار، چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ یا انتظامی امور کا ماہر ہوتا۔ میں مختلف وجوہ سے ان تمام لوگوں سے حسد رکھتا ہوں۔

ادیب بننا تو جیسے میرے مقدر میں لکھا تھا اور میں کیا اور کیسے لکھتا ہوں اُسی مقدر کا ایک حصّہ ہے۔ ورنہ میں نہیں جانتا کہ ڈراما نگاری کی اوّلین کوشش کی ناکامی کے بعد دوبارہ اس کام میں ہاتھ نہ ڈالنے کے فیصلے کے باوجود میں ڈرامے کیوں لکھتا رہا۔ میرے ایک ڈرامہ کی لوگوں نے خوب بڑھا چڑھا کر تعریف کی جس کی وجہ سے میں ذہنی تناؤ میں بھی مُبتلا ہو گیا۔ اس کے بعد دوسرا ڈراما لکھا جس نے گویا شہد کے چھتے کو چھیڑ دیا۔

قسمت سے کوئی لڑ نہیں سکتا۔ اس ضمن میں ایک واقعے کا ذکر کرتا چلوں۔ اس ڈرامے نے جس کے لیے آپ مجھے آج سرسوتی سمان سے سرفراز کر رہے ہیں مجھے ایک دن بہت ذلیل کیا تھا جب ایک تقریب میں مجھ پر چپل پھینکی گئی تھی۔ شاید اس ڈرامے کی قسمت میں یہ اعزاز اور وہ چپل دونوں ہی تھے اور میں اس کے خالق کی حیثیت سے قدردانی کی دونوں اداؤں کا احترام کرتا ہوں۔

بعض ناقدین کا خیال ہے کہ یہ اعزاز پانے کی ابھی میری عمر نہیں تھی۔ ان کا نقطۂ نظر

یہ ہے کہ اس گرانقدر اعزاز کا مستحق ہونے کے لیے زندگی کی کئی اور برسات مجھے دیکھنی چاہیے تھیں کیوں کہ یہ اعزاز انہیں حضرات کو ملتا ہے جن کا شباب رخصت ہو چکا ہو۔

میرا تخلیقی جذبہ ابھی سرد نہیں پڑا ہے۔ اپنے اطراف و جوانب میں نگاہ دوڑاتا ہوں تو اس سے مجھے آج بھی لکھنے کی ترغیب و تحریک ملتی ہے۔ مجھے رعشہ یا موتیابند لاحق نہیں ہوا ہے کہ میں لکھنے سے معذور ہو جاؤں۔ اس لئے میں آگاہ کر دینا چاہتا ہوں کہ یہ اعزاز لینے کے بعد بھی میں لکھنا جاری رکھوں گا۔

آخر میں ایک خیال میں آپ کے ساتھ شریک ہونا چاہتا ہوں۔ برقی ذرائع ابلاغ کی تیز رفتار ترقی اور اس کی قبولیتِ عام نے بہت سے لوگوں کو تشویش میں ڈال دیا ہے۔ ان کا خیال ہے ادب اور آرٹ کی بقا ایسی صورت میں ممکن نہیں ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ خود کو جاننے اور اپنی شخصیت کے اظہار کی خواہش انسان کو زبان و ادب کی طرف بے اختیار کھینچے گی۔ یہ دونوں چیزیں مُستقبل میں بدلیں گی ضرور لیکن حصولِ علم اور اس کے اظہار کی خواہش ایسے تمام حوارج کو عبور کر جائیں گی۔

آنے والے دنوں میں وجود کی جنگ کے تناظر میں انسان خود کو اپنی بعض جبلتوں اور خصوصیات سے منحرف ہوتا پائے گا اور یہ جدوجہد روز بروز زیادہ سنگین ہوتی جائے گی۔ چپلن اور زندہ رہنے کے لئے اس کی مضحک حرکات اور رکی ہاؤس کی ناقابلِ تسخیر جرأت و شجاعت میں اکیسویں صدی کے انسان کا عکس دیکھا جا سکتا ہے۔

ادیب نہ تو ماہر سماجیات ہے اور نہ ہی ستارہ شناس۔ وہ ریاضی کی بنیادوں پر مسائل کے جوابات بھی تلاش نہیں کرتا۔ وہ ہمیشہ صرف دیکھتا اور محسوس کرتا ہے اور یہی عمل اُسے مضطرب رکھتا ہے ــــــ اضطراب کی وہی کیفیت مجھ پر آج بھی طاری ہے۔

انگریزی سے ترجمہ (بشکریہ "جامعہ" نئی دہلی)

معیاری ادب کی دُنیا میں ایک معتبر نام

۱۷۷۹، کوچہ دکھنی رائے، دریا گنج، نئی دہلی، ۱۱۰۰۰۲

وجے تینڈلکر

وجے تینڈلکر مراٹھی زبان کے صفِ اوّل کے ڈراما نگار ہیں۔ جدید ہندوستانی ڈراما کی تاریخ میں ان کا ایک بلند مقام ہے۔ انھوں نے مختصر افسانے، ناول، فیچر، ایکانکی ڈرامے، بچّوں کے ڈرامے، ٹی۔وی۔ سیریل، متعدد فلموں کے اسکرپٹ اور مکالمے بھی لکھے ہیں۔ تینڈلکر کو ان کی عظیم تخلیقی خدمات پر قومی سطح کے کئی انعامات و اعزازات سے نوازا جاچکا ہے، جن میں بالترتیب مہاراشٹر اسٹیٹ ایوارڈ، کملادیوی چٹوپادھیائے ایوارڈ، سنگیت ناٹک اکادمی ایوارڈ، نیشنل بیسٹ فلم ایوارڈ، فلم فیئر ایوارڈ۔ پدم بھوشن اور سرس وتی سمان خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں —— سرس وتی سمان انھیں "کنیادان" کی تخلیق پر کے۔ کے۔ برلا فاؤنڈیشن کی طرف سے ۱۹۹۳ء میں عطا کیا گیا تھا۔

ڈاکٹر صادق

"کنیادان" کا یہ ترجمہ اُردو کے ممتاز شاعر، نقاد اور مصوّر ڈاکٹر صادق نے کیا ہے، جو اس سے پہلے بھی مراٹھی ادب کی کئی اہم تخلیقات کو اُردو داں قارئین سے متعارف کراچکے ہیں۔ انھوں نے "کنیادان" کا ترجمہ کرتے ہوئے مراٹھی زبان کے مخصوص مزاج الفاظ کی قوّت اور تخلیقی نزاکتوں کا بحدِ مقدور لحاظ رکھنے کی کوشش کی ہے نیز ڈراما کے مکالموں کو اردو کی مروّجہ نحوی ساختوں سے پرے لے جاکر مہاراشٹر کی عام بول چال کی زبان سے قریب کر دیا ہے۔ یہ ترجمہ اشاعت سے پہلے خود تینڈلکر بھی دیکھ چکے ہیں۔

تخلیق کار پبلیشرز

۱۷۷۹۔ کوچہ دکھنی رائے، دریا گنج، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲